
محرم ○ صفر ○ ربیع الاول ـــــ ۱۹
اپریل ○ مئی ○ جون ـــــ ۸
صفا
دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

ادارہ العلوم سبیل السلام حیدرآباد کا علمی، دینی، دعوتی، اصلاحی، ادبی سہ ماہی رسالہ

صفا

محرم ○ صفر ○ ربیع الاول — ۱۴۱۹ھ
اپریل ○ مئی ○ جون — ۱۹۹۸ء

شمارہ : ۲۷

مدیر اعلیٰ
محمد رضوان القاسمی

مدیر مسئول
بدر الحسن قاسمی

مدیر تحریر
خالد سیف اللہ رحمانی

معاونین
سرفراز احمد قاسمی ○ احمد عبد المجیب قاسمی ندوی
اشرف علی قاسمی ○ ولی اللہ قاسمی

سالانہ Rs. 80/- • معاون خصوصی Rs. 500/-

فی شمارہ Rs. 25/-

انتخاب

"اسلام وہ مذہب ہے کہ جس دن وہ دین بنا اسی دن وہ سیاست بھی تھا، اس کا منبر، اس کا تخت، اس کی مسجد، اس کی عدالت، اس کی توحید نمرودوں اور فرعونوں، قیصروں اور کسراؤں کی شاہنشاہی کے مٹانے کا پیغام تھی صحابہؓ اور خلفاء کی پوری زندگیاں ان مرقعوں سے بھری پڑی ہیں اور وہی اسلام کی سچی تصویر ہیں اور جب تک علماء علماء رہے، وہی ان کا اسوہ تھا، آج جب ہم پھر نئے سرے سے اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں اور پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت ہے کہ اسی نقش قدم پر چلیں، جو ہمارے اسلاف نے ہمارے لئے چھوڑا ہے۔

آج علماء کا کام صرف پڑھانا، مسئلے بتانا اور فتوے دینا سمجھا جاتا ہے لیکن اب وقت ہے کہ اپنے اسلاف کے وقت کو پھر دہرائیں اور دیکھیں کہ ان کا کام صرف علم و نظر تک محدود نہیں، بلکہ سعی و عمل اور عملی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک اہم فرض ہے، ہر آبادی جہاں وہ رہیں، ان کی سعی اور خدمت سے آباد رہے، وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، نادانوں کو سمجھانا، وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھلانا، مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا، ضرورت کے موقع پر آگے بڑھنا اور علم و عمل کی کوشش سے ان کو فائدہ پہنچانا ایک عالم دین کا فرض ہے۔"

مولانا سید سلیمان ندویؒ

(۱۸۸۴ء — ۱۹۵۳)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

ہندوستان کا سیاسی منظر نامہ اس وقت جس تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے، چند سال پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور فرقہ پرست عناصر کو گزشتہ چار پانچ سال میں جو قوت حاصل ہوئی ہے اس کا اچھے اچھے سیاسی نجومیوں کو بھی اندازہ نہیں تھا، بی جے پی نے شمال سے آگے بڑھ کر جنوب میں بھی اپنے قدم مضبوط کر لئے ہیں اور مغرب سے گزر کر مشرق تک اپنے بال و پر پھیلا دئے ہیں اور نصف صدی سے جو خواب دیکھ رہے تھے اس کی تعبیر آج اس کے سامنے ہے۔ بی جے پی کو جو قوت اس وقت حاصل ہوئی ہے اس کے مختلف اسباب ہیں۔ لوگوں کے جذبات سے کھیلنا، غلط فہمیاں پیدا کرنا، میڈیا اور ذرائع ابلاغ کا بی جے پی کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہونا اور منظم طور پر اس پارٹی کے حق میں فضا بنانا، ملک کے سیکولر کردار پر یقین رکھنے والی جماعتوں کا آپس میں تصادم اور موقع پرستی، نیز اقلیتوں اور پس ماندہ اقوام کی سیاسی شعور سے محرومی۔

مسلمان حالانکہ گزشتہ نصف صدی سے مسلسل زخم کھا رہے ہیں، لیکن ابھی تک انہوں نے کما حقہ، شعور اور فراست سے کام لینا نہیں سیکھا ہے، گو پچھلے انتخابات اور مسلم جماعتوں کی سیاسی بیداری پیدا کرنے کی مہم نے فائدہ ضرور پہنچایا ہے اور حالیہ انتخابات میں مسلمانوں کے ووٹ نسبتاً کم تقسیم ہوئے ہیں، لیکن بہار، یوپی اور آسام جیسی ریاستوں میں جہاں مسلم ووٹرس بہت اہم کردار ادا کرنے کے موقف میں ہیں، مسلم ووٹ کی تقسیم نے فرقہ پرست عناصر کو تقویت پہنچائی ہے اور بہت سی سیٹیں ہیں جو قوتِ فیصلہ کی کمی کی وجہ سے بی جے پی کو حاصل ہوئی ہیں، اس کے علاوہ پس ماندہ اقوام کو اس بات کا احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ بی جے پی کا ہدف صرف مسلمان ہی نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی ہیں، بی جے پی اونچی ذات کے لوگوں کی پارٹی ہے، جو غریبوں اور دبے کچلے لوگوں کا استحصال کرنا چاہتی ہے۔

مسلمان قیادت کا اس وقت فریضہ ہے کہ وہ سیکولر جماعتوں کو ایک دوسرے سے قریب اور متحد کرنے کی سعی کریں اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا ذریعہ بنیں، پس ماندہ اقوام کو جو مسلمانوں سے بھی زیادہ عرصہ سے اس ملک میں مظلوم اور ستم رسیدہ رہے ہیں اپنے قریب لائیں اور ان کی سیاسی طاقت کا احساس دلائیں اور خود اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور ہر علاقہ سے کچھ ایسے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں لانے کی سعی کریں، جو مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کا فریضہ انجام دے سکیں اور جن کے بارے میں تجربہ ہو کہ ان کا قلب وضمیر بھی مسلمان ہے۔ نیز اس وقت یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ موجودہ بی جے پی گورنمنٹ کے رویہ پر گہری نظر رکھی جائے، بی جے پی نے دستور میں تبدیلی کا جو موضوع اٹھایا ہے، وہ وہ نہایت نازک اور خطرناک ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بی جے پی نے بظاہر بعض مسائل کو اپنے ایجنڈے سے نکال دیا ہے، لیکن یہ محض عوام کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی کوشش ہے اور اس طرح کے وعدہ پر مطمئن ہو جانا کسی طرح مناسب نہیں۔

عراق اور کویت کی جنگ کے بعد سے خلیج میں بار بار جنگ کا الارم بجتا ہے، کچھ گرما گرمی پیدا ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ امریکی فوجیں عراق میں اترنے ہی کو ہیں، پھر کچھ سفارتی کوششیں ہوتی ہیں اور جنگ کے بادل چھٹ جاتے ہیں، الفاظ اور جملوں کی یہ جنگ خلیجی ملکوں کو لاکھوں ڈالر سے زیر بار کر دیتی ہے، عراقی عوام کے مسائل میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے، نہ صدام کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ امریکیوں کو کوئی گزند۔

اہلِ بصیرت اس صورتِ حال کو دیکھ کر یہ باور کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ محض ایک ڈرامہ ہے، صدام حسین اس کا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، ان کی حکومت کی بقاء کی صورت میں مغربی ممالک اس کی اجرت ادا کرتے ہیں، یہ سارا ڈرامہ امریکہ کے اشارہ پر ہوتا ہے اور وہ عربوں سے ہزاروں ڈالر اس ڈرامہ کی قیمت وصول کرتا اور اپنی معیشت کو مضبوط کرتا ہے، شاید اسی کی دین ہے کہ امریکی بجٹ کا خسارہ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی عالمی سازش کو سمجھیں، اپنے گرد بنے جانے والے سازشوں کے جال کو محسوس کریں، عالم اسلام اپنی صفوں میں وحدت پیدا کریں اور مل جل کر مؤثر حکمتِ عملی اختیار

کریں، ورنہ ظاہری حالات بہت خراب مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کے لئے تشویشناک مسئلہ یوگوسلاویہ کے صوبہ "کوسوو" کا ہے، اس صوبہ میں البانیائی باشندوں کی غالب اکثریت ہے، جن کی تعداد نوے فی صد ہے، یہ مسلمان ہیں، یوگوسلاویہ پر اس وقت سربوں کا غلبہ ہے۔ بوسنیا میں سربوں نے جو مظالم ڈھائے ہیں وہ ایک دردناک تاریخ ہے جہاں ایسی انسانیت سوزی اور خوں آشامی کو روا رکھا گیا کہ اس نے سنگ دل آدمی کو بھی بے قرار کر کے رکھ دیا، مغربی ممالک ابتداءً اس مسئلہ سے بے توجہی اختیار کرتے رہے، لیکن ایک طرف عالمی آواز اور دوسری طرف خود یورپ کے قلب میں اس جنگ کی وجہ سے منڈلانے والے نقض امن کے بادل اور سب سے بڑھ کر بوسنیا کی استقامت اور قوت مقاومت، ان سب نے مغربی ممالک کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان ممالک کو صلح کی میز پر لائیں، گو اس صلح میں بھی انصاف سے کام نہیں لیا گیا، لیکن بہر حال اس نے دنیا کے نقشہ پر بوسنیا کے وجود کو باقی رکھا اور فی الحال امن کی ایک صورت پیدا ہو گئی۔

اب "کوسوو" نے بھی اپنی آزادی کا مطالبہ کیا ہے اور وہ اس مطالبہ میں حق بجانب ہے، کیونکہ سربوں نے ان کے ساتھ امتیازی برتاؤ رکھا ہے اور عرصہ سے وہ ظلم و جور کے شکار ہیں، شاید یہاں کے حالات بوسنیا سے کسی قدر مختلف ہوں، اس لئے کہ یہ علاقہ مسلم اکثریت ملک البانیہ سے متصل واقع ہوا ہے، اگر "کوسوو" کو آزادی مل گئی تو یورپ میں البانیہ اور بوسنیا کے بعد یہ تیسرا مسلم ملک ہوگا، دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و مدد ان کو حاصل ہو اور یہ اس قیامت سے دوچار نہ ہوں جو بوسنیا کے مسلمانوں پر گزر چکی ہے۔

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد جس کے قیام کو ۲۵ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، الحمد للہ تعلیمی اور دعوتی میدان میں آگے بڑھ رہا ہے، ہر سال اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ گزشتہ سال کے مقابلہ تعلیمی کیفیت میں اضافہ ہو۔ شعبۂ تخصص میں ہندوستان بھر کی دینی جامعات کے فضلاء کا رجوع بڑھ رہا ہے، امید ہے کہ اس سے مردم سازی اور افراد کار کی تیاری کا کام زیادہ سے زیادہ

بہتر طریقہ پر ہو سکے گا۔

تعمیری کام میں بھی بہت کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے، دار القرآن کی عمارت میں دو بلاک تیار ہو چکے ہیں اور باقی دو بلاک ابھی تکمیل کے قریب ہیں، "جامع عمر بن خطاب" کے نام سے عظیم الشان مسجد کی تعمیر بحمد اللہ مکمل ہو گئی ہے، البتہ مسجد کے سامنے وسیع صحن اور پلیٹ فارم کا کام باقی ہے، جس کے نیچے ایک ہم مقصدی وسیع و عریض ہال ہوگا۔ اس پلیٹ فارم کے نیچے تعمیر کئے جانے والے ہال کے ذریعہ مدرسہ کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوگی، یہ کام اس وقت اہل خیر کی توجہ کا مستحق ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالے جلد ہی اس کام کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

محمد رضوان القاسمی

۲۲ ر ذوقعدہ ، ۱۴۱۸ھ

۲۲ ر اپریل ، ۱۹۹۸ء

سید اسرار الحق سبیلی
(متخصص فی الفقہ دار العلوم سبیل السلام
حیدر آباد)

سفر کے آداب و احکام

احادیث کی روشنی میں

انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ایک سفر بھی ہے جس کا سلسلہ زندگی سے موت تک جاری رہتا ہے اور اسلام کی نظر میں خود موت بھی ایک سفر ہی ہے، دنیا سے آخرت کا، فانی زندگی سے ابدی زندگی کا، ناپائیدار منزل سے پائیدار منزل کا ——— سفر نیک مقصد کے لئے بھی ہوتا ہے، خدا کی عبادت کے لئے، مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کے لئے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے، دین کی حصول اور اس کی اشاعت کیلئے، متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی غرض سے برو سامان کی فراہمی کیلئے ——— اور سفر غیر دینی مقصد کیلئے بھی کیا جا سکتا ہے، اور انسان اپنی خدا ناترسی سے کرتا رہتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی حیاتِ طیبہ جو زندگی کے ایک ایک گوشہ کیلئے رہنما اور رہبر ہے اور جس نے انسان کے لئے پیش آنے والے کسی امکانی واقعہ کو تاریکی میں نہیں رکھا ہے، کیونکہ ممکن تھا کہ انسانی زندگی کا یہ اہم شعبہ اس کی روشنی سے محروم رہ جاتا چنانچہ آپؐ نے اس بارے میں بھی تفصیلی رہبری فرمائی ہے، سفر کس طرح شروع کیا جائے، رفقاءِ سفر کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے، کن مقاصد کے لئے سفر کیا جائے اور کس طرح سفر میں بھی خدا کی یاد کو مستحضر رکھا جائے؟

سفر کرنے سے پہلے

چنانچہ آپؐ نے سفر کرنے سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے:

واذا خرجت من منزلك فصل رکعتین تمنعانك مخرج السوء (۱)
جب تم اپنے گھر سے نکلو تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو تاکہ تمہارا نکلنا مبارک ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:

جاء رجلٌ النبیؐ فقال یارسول اللہ! انی ارید ان اخرج الی البحرین فی تجارۃ فقال رسول اللہ صل رکعتین (۲)
آنحضورؐ کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا: اے اللہ کے رسول! میں بغرضِ تجارت بحرین جانا چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھ لو۔

اگر چند بیویاں ہوں اور کسی ایک کو ہی سفر میں لے جانا ہو تو قرعہ اندازی کر لینا بہتر ہے (۳)۔ حضورؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے۔ کان رسول اللہ اذا اراد سفرا اقرع بین نسائہ (۴)

سفر کی ابتدار

آپؐ اکثر جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے: وکان یحب ان یخرج یوم الخمیس (۵) اسی طرح آپؐ اکثر جمعرات کے دن لشکر روانہ فرماتے تھے:

ماکان رسول اللہ یخرج الی سفر او یبعث بعثا الا یوم الخمیس (۶)
حضورؐ جمعرات کو ہی سفر پر نکلتے اور لشکر روانہ فرماتے تھے۔

---

(۱) مجمع الزوائد ۲/۲۸۴ ط: دارالکتب العربی بیروت۔ (۲) مجمع الزوائد ۲/۲۸۳۔
(۳) ہدایہ ۲/۳۲۹ ط: رشیدیہ دہلی۔ (۴) صحیح بخاری ۲/۵۹۴ ط: دیوبند ۱۹۸۵ء
(۵) کتاب مذکور ۱/۴۱۴۔ (۶) مجمع الزوائد ۳/۲۱۱، ابوداؤد ۱/۳۵۰۔

صبح صبح سفر کیلئے روانہ ہونا بہتر ہے۔ آپؐ صبح کے وقت لشکر روانہ فرماتے تھے:

اللّٰھم بارك لامّتی فی بکورھا وکان اذا بعث سریة اوجیشا بعثھم من اول النھار (۱)

اے اللہ! میری امت کو صبح میں برکت عطا فرما آپؐ جب کوئی بڑا یا چھوٹا لشکر بھیجتے تو ان کو صبح صبح روانہ فرماتے۔

سفر پر جاتے وقت اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو سلام کرنا چاہیے آپؐ نے فرمایا:

اذا اراد احدکم سفرا فلیسلم علیٰ اخوانہ فانھم یزیدونہ بدعائھم الیٰ دعائہ خیر (۲)

جب تم لوگ سفر پر جایا کرو تو اپنے بھائیوں کو سلام کیا کرو۔

سفر کی دعا

حضورؐ جب سفر کیلئے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل، اللّٰھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا، اللّٰھم انی اعوذ بك من وعثاء السفر وکابة المنقلب ومن الحور بعد الکون او الکور ومن دعوة المظلوم وسوء المنظر فی الاھل والمال۔ (۳)

اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا ساتھی ہے اور خاندان کا محافظ، اے اللہ! تو سفر میں میرے ساتھ رہ اور ہمارے خاندان اور گھر والوں کی نگرانی فرما، اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے اور نامراد لوٹنے سے اور خیر سے شر کی طرف لوٹنے سے اور مظلوم کی بددعا سے اور مال واولاد میں ناخوشگواری سے پناہ مانگتا ہوں۔

---

(۱) جامع ترمذی ۱۸۳/۲۔

(۲) مجمع الزوائد ۲۱۰/۳

(۳) جامع ترمذی ۱۸۲/۲، موطا امام مالک ص ۳۸۴، ابن ماجہ ۲۷۷۔

جب سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ تکبیر پڑھتے اور یہ دعا پڑھتے :

سُبحان الذی سخرلنا ھٰذا وماکنالہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبُون، ثم یقول اللّٰھم انی اسئلك فی سفری ھٰذا من البر والتقویٰ ومن العمل ماترضیٰ، اللّٰھم ھون علینا المسیر واطوعنا بُعد الارض۔ (١)

وہ پاک ذات ہے جس نے ہمارے لئے اس کو تابع کردیا ورنہ ہم اس کو حاصل نہیں کرسکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ! میں تجھ سے اس سفر میں نیکی تقویٰ اور ایسے عمل کا خواستگار ہوں جس سے تو راضی ہو جائے، اے اللہ! تو ہمارے لئے سفر آسان فرما اور مسافت کی دوری کو ختم کردے۔

سفر میں امیر بنانا

آنحضورؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ جب چند آدمی سفر کریں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں تاکہ آپس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ ہو :

اذاکان ثلاثۃ فی سفر فلیؤمروا احدھم (٢)

جب سفر میں تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک کو امیر بنا لیا جائے۔

تنہا سفر

آپؐ نے تنہا سفر کرنا ناپسند فرمایا ہے، بہتر ہے کہ تین آدمی کے ساتھ سفر کیا جائے، چنانچہ ارشاد فرمایا :

الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلاثۃ رکب۔ (٣)

اکیلا سفر کرنیوالا شیطان ہے اور دو سفر کرنے والے دو شیطان ہیں اور تین آدمیوں کے ساتھ سفر کرنے والے ہی مسافر ہیں۔

(١) ترمذی ٢/١٨٣۔ (٢) ابوداؤد ١/٣٥١، کتاب الجہاد ط: دیوبند ١٩٨٥ء (٣) مؤطا امام مالک ٣٨٥۔

اس کی وجہ آپؐ نے بتلائی ہے :

الشیطان یھم بالواحد و بالاثنین فاذا کانوا ثلاثۃ لم یھم بھم (۱) کہ شیطان ایک اور دو آدمیوں کو دورانِ سفر مختلف اوہام ووساوس میں بتلا کرتا ہے لیکن تین آدمیوں پر وہ اپنا حملہ نہیں کرسکتا۔

آپؐ نے خصوصاً رات میں تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

لو یعلم الناس ما فی الوحدۃ ما اعلم ما سار راکب بلیلٍ وحدہٗ۔ (۲) اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تنہا سفر کرنے میں کیا خطرات ہیں، جن کو میں جانتا ہوں تو وہ رات میں تنہا سفر نہ کرتے۔

آج کل جہاں ٹرین اور بسوں وغیرہ میں مسافروں کا خود بخود قافلہ بن جاتا ہے اس لئے تنہا سفر کی ممانعت میں سفر کی یہ صورتیں داخل نہیں ہیں۔

عورت کا بغیر محرم کے سفر

عورتوں کے لئے بغیر محرم کے تین دن کا سفر جس کی مقدار فقہاءِ احناف نے ۴۸ میل (88 Km. 704m= متعین کی ہے، جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لا تسافر المرأۃ ثلٰثۃ ایام الّا مع ذی رحمٍ (۳) عورتیں بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کریں۔

شروع رات میں سفر

آپؐ نے رات کے شروع حصہ میں سفر جاری رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، کیوں کہ رات میں سفر آسانی سے طے ہو جاتا ہے:

---

(۱) مجمع الزوائد ۲۱۵/۳۔

(۲) بخاری ۴۲۱/۱۔

(۳) بخاری ۱۴۷/۱۔

علیکم بالدلجۃ فان الارض تطوی باللیل۔ (۱)

رات کے شروع حصہ میں سفر کیا کرو، کیونکہ رات میں زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔

سفر میں دوسرے مسافرین کا خیال

حضورؐ سے سفر کے دوران بھی بہت ساری ہدایات منقول ہیں، آپؐ نے سفر میں دوسرے مسافروں کا خیال رکھنے کی بابت فرمایا:

من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علیٰ من لاظہر لہ، ومن کان لہ فضل زاد فلیعد بہ علیٰ من لازاد لہ، قال فذکر باصناف المال حتی رأینا انہ لاحق لاحد منا فی فضل۔ (۲)

جس کے پاس فاضل سواری ہو، وہ دوسروں کو دیدے، جس کے پاس کوئی سواری نہیں ہے اور جس کے پاس فاضل توشہ ہو وہ دوسرے نادار کو کھانا دیدے، راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے اتنے اصناف مالیہ کا ذکر کیا کہ ہم لوگوں نے سمجھا کہ اب زائد مالوں میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے

آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے آدمی کے پاس سے گذرے جس کی سواری خراب ہوگئی ہو اور وہ اس آدمی کو اپنی سواری پر نہ بٹھائے، تو ایسے آدمی کا جانور شیطان کے واسطے ہے (۳)

سواری کے جانوروں کا خیال

آپؐ نے سواری کے جانور کے متعلق فرمایا:

اذا سافرتم فی الخصب فاعطوا الابل حقہا من الارض فاذا

جب تم خوش حالی کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹ کو اس کا حق (چارہ) دیا کرو اور جب

(۱) مجمع الزوائد ۳/۲۱۱، ابوداؤد ۱/۳۴۷۔

(۲) مسلم ۱/۸۱ ط: اصح المطابع دیوبند ۱۹۸۶ء (۳) ابوداؤد ۱/۳۴۷۔

سافرتم فی السنۃ فاسرعوا علیہا السیر (۱)

خشک سالی کے زمانہ میں سفر کرو اور راستہ میں کچھ کھانے کا نہ ملے تو جلد سفر کرو تاکہ منزل پہنچکر جانور کو کچھ کھلا سکو۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لاتتخذوا ظہور دوابکم منابر، فان اللہ تعالیٰ انما سخرہا لکم لتبلغکم الیٰ بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس وجعل لکم الارض فعلیہا فاقضوا حاجاتکم۔

(۲)

تم اپنے چوپایوں کی پیٹھ کو منبر اور کرسی نہ بنالو کہ بلا ضرورت اس پر کھڑے رہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم کو ایسی جگہ تک پہنچائے جہاں بلامشقتِ نفس تم نہیں پہونچ سکتے تھے۔ اللہ نے تمہارے لئے زمین بنائی ہے اس پر چلو پھرو اور اپنی ضروریات پوری کرو۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

کمزوروں کا خیال

ساتھ چلنے میں کمزوروں کا خیال رکھنا چاہیئے، حضورؐ سے مروی ہے کہ آپؐ صحابہ سے پیچھے رہتے تھے، آپؐ کمزوروں کا خیال رکھتے، ان کو پیچھے بٹھا لیتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ کان رسول اللہ یتخلف فی المسیر فیزجی الضعیف ویردف ویدعولھم.... (۳)

اپنی باری کا خیال

اگر ایک ہی سواری پر چند لوگ باری باری بیٹھتے ہوں تو سب کو اپنی اپنی باری کا خیال رکھنا چاہیئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بدر کے موقعہ سے

---

(۱) مسلم ۲/۱۴۴۔ (۲) ابوداؤد ۱/۳۴۷۔

(۳) ابوداؤد ۱/۳۵۴۔

ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی سوار تھے، حضرت ابولبابہ اور حضرت علیؓ حضورؐ کے ساتھ تھے، جب حضورؐ کی پیدل چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں کہتے، ہم آپؐ کے بدلہ پیدل چلیں گے۔ آپ سوار رہیں، حضورؐ فرماتے، تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور نہ میں ثواب سے مستغنی ہوں۔ (۱)

سفر میں خدمت

آپؐ نے اپنے ساتھیوں اور بڑوں کی خدمت کی تعلیم دی ہے، آپؐ نے فرمایا: سفر میں لوگوں کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے جو سب سے زیادہ خدمت میں پہل کرے تو لوگ سوائے شہادت کے کسی اور عمل کے ذریعہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سید القوم فی السفر خادمھم فمن سبقھم بخدمۃ لم یسبقوہ بعمل الا الشھادۃ (۲)

راستہ میں پڑاؤ ڈالنے سے ممانعت

آنحضرتؐ نے رات میں بھی بیچ راستہ میں پڑاؤ ڈالنے سے منع کیا، اس لئے کہ رات میں یہ جانور کی گذرگاہ اور حشرات الارض کی پناہ گاہ ہے:

لاتصلوا علی جواد الطریق ولا تنزلوھا فانھا ماوی الحیات والسباع ولا تقضوا علیھا الحوائج فانھا الملاعن۔ (۳)

راستہ میں نماز نہ پڑھو اور نہ وہاں پڑاؤ ڈالو کیوں کہ وہ رات میں سانپوں اور درندوں کی پناہ گاہ ہے، اور راستہ میں قضاءِ حاجت نہ کرو، کیوں کہ اس کی وجہ سے گذرنے والے لعنت کریں گے۔

---

(۱) مسند احمد ۱/۴۱۱ ط: المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۵ء
(۲) مشکوٰۃ شریف ۲/۳۴۰ ط: نعمانیہ دیوبند
(۳) مجمع الزوائد ۳/۲۱۳۔ واذا عرستم باللیل فاجتنبوا الطریق، مسلم ۲/۱۴۴۔

کسی مقام پر ٹھہرنے کے بعد منتشر نہ ہونا

کسی مقام پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد اِدھر اُدھر منتشر نہیں ہونا چاہیئے، آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابو ثعلبہ الخشنیؓ کا بیان ہے:

کان الناس اذا نزلوا منزلاً تفرقوا فی الشعاب والاودیۃ فقال رسول اللہ ان تفرقکم فی ھذہ الشعاب والاودیۃ انما ذلکم من الشیطان فلم ینزلوا بعد منزلا الا انضم بعضھم الی بعض حتی یقال لو بسط علیھم ثوب لعمھم (۱)

کہ لوگ جب کسی جگہ اترتے تو گھاٹیوں اور وادیوں میں منتشر ہو جاتے تھے، اس لیۓ آپؐ نے فرمایا، تمہارا اِن دروں اور وادیوں میں منتشر ہو جانا شیطان کی طرف سے ہے، لہذا آئندہ کسی جگہ اترا کرو تو اس طرح مل کر رہا کرو کہ اگر ایک کپڑا پھیلا دیا جائے تو سب کو ڈھک لے۔

ہر منزل پر نماز و دُعا

سفر کے راستہ میں جہاں بھی تھوڑی دیر کے لیۓ آرام کے واسطے ٹھہرنا ہو تو وہاں دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیئے، آپؐ راستہ میں جس مقام پر قیام فرماتے وہاں دو رکعت نماز پڑھ لیتے:

کان رسول اللہ لم ینزل منزلاً لم یرتحل منہ حتی یودعہ برکعتین (۲)

آپؐ جس جگہ بھی قیام فرماتے وہاں سے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد ہی رخصت ہوتے تھے،

کسی مقام پر ٹھہرنے کے بعد یہ دعا پڑھ لینی چاہیئے، وہاں سے رخصت ہونے تک اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہونچا سکتی:

---

(۱) ابو داؤد ۱/۳۵۳.

(۲) مجمع الزوائد ۲/۲۸۳.

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (۱)

میں تمام مخلوقات کی شر سے خدائے ذوالجلال کی پناہ مانگتا ہوں۔

سفر سے واپسی میں جلدی

سفر کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اس لئے بلا ضرورت سفر کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ آپؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ جب سفر کا مقصد پورا ہو جائے تو جلد ہی واپس گھر آجانا چاہیئے۔

السفر قطعۃ من العذاب یمنع احدکم نومہ وطعامہ وشرابہ فاذا قضی احدکم نہمتہ من سفرہ فلیعجل الرجوع الی اھلہ (۲)

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، آدمی کو سونے کھانے اور پینے سے روکتا ہے، لہذا جب سفر کی ضرورت پوری ہو جائے تو گھر لوٹنے میں جلدی کرنی چاہیئے۔

سفر سے واپسی کی دعا

حضورؐ جب سفر سے لوٹتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون (۳)

ہم اللہ کی طرف لوٹنے والے، توبہ کرنے والے اور اپنے رب کی حمد و عبادت کرنیوالے ہیں۔

واپسی کے بعد مسجد میں نماز پڑھنا

حضورؐ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپؐ جب اسفار و غزوات سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے، چنانچہ حضرت کعب بن مالکؓ

---

(۱) ترمذی ۲/۱۸۲۔

(۲) بخاری ۱/۴۲۱، مسلم ۲/۱۴۴، ابن ماجہ ۲۰۷ باب الخروج الی الحج۔

(۳) بخاری ۱/۴۳۴، ترمذی ۲/۱۸۲۔

کا بیان ہے: وکان اذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فیرکع رکعتین (۱)

واپسی میں بچوں سے ملاقات

آپؐ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تو بچوں سے ملتے اور ان کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے، حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا بیان ہے:

کان رسول اللہ اذا قدم من سفر تلقی بصبیان اھل بیتہ وانہ قدم من سفر فسبق بی الیہ فحملنی بین یدیہ ثم جیئ باحد ابنی فاطمۃ فاردفہ خلفہ۔ قال فادخلنا المدینۃ ثلاثۃ علی دابۃ۔ (۲)

آنحضورؐ جب سفر سے تشریف لاتے تو اہلِ بیت کے بچوں سے ملاقات کرتے، ایک مرتبہ آپؐ سفر سے تشریف لائے تو سب سے پہلے مجھ کو آپؐ کے پاس پیش کیا گیا، آپ نے مجھ کو اپنے پاس بٹھا لیا پھر حضرت فاطمہؓ کا کوئی ایک بچہ لایا گیا، آپؐ نے اس کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اس طرح ہم تینوں ایک ہی جانور پر سوار ہو کر مدینہ میں داخل ہوئے۔

⁂ ⁂ ⁂

سفر سے رات میں واپسی

اگر بہت دنوں پر گھر کو واپسی ہو رہی ہو تو آپؐ نے بغیر اطلاع کے سفر سے رات میں گھر آنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ہدایت فرمائی کہ:

اذا اطال احدکم الغیبۃ فلا یطرق اھلہ لیلاً (۳)

جب تم بہت زمانہ پر گھر لوٹو تو رات کے وقت اپنے اہل کے پاس نہ آؤ۔

---

(۱) بخاری ۲/۶۳۴، ۱/۴۳۴۔ ابوداؤد ۲/۳۸۴۔

(۲) مشکوٰۃ ۲/۳۳۹۔ ابوداؤد ۱/۳۴۷۔

(۳) مسلم ۲/۱۴۴۔

دوسری جگہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اذا دخلت لیلاً فلا تدخل اھلك حتى تستحد المغيبة وتمتشط الشعثة (۱)

اگر رات میں آنے کا اتفاق ہی ہو جائے تو گھر میں خبر کرا کر اتنی مہلت دو کہ جس میں بیوی اپنی ہیئت درست کرلے اور خود کو شوہر کے لئے تیار کرلے۔

⁘ ⁘ ⁘ ⁘

سفر میں فرض نماز

۴۸ میل (88KM.704M =) دوری کا سفر کرنا ہو تو ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھی جائیں گی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:

سافرت مع النبیؐ وابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یصلون الظھر والعصر رکعتین رکعتین لایصلون قبلھا ولا بعدھا (۲)

میں نے حضورؐ، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ سفر کیا، وہ لوگ ظہر اور عصر کی نماز دو، دو رکعت پڑھا کرتے تھے، اس سے پہلے اور اس کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے۔

لیکن مسافر اگر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے گا تو چار رکعت ہی پڑھنی ہوگی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور جب تنہا پڑھتے تو دو ہی رکعت پڑھتے: مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان يصلى وراء الامام بمنى اربعاً فاذا صلى لنفسه صلى ركعتين (۳)

سفر میں نفل نماز

سفر میں نفل نماز پڑھنے کے لئے قبلہ رو ہونا ضروری نہیں ہے، اگر سواری

---

(۱) مسلم ۲/۱۴۴۔ (۲) ترمذی ۱/۱۲۱۔
(۳) مؤطا امام مالک: ۵۲۔

کا رُخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو اسی رخ پر نفل ادا کی جا سکتی ہے، حضورؐ سے ثابت ہے کہ جدھر آپؐ کی سواری جاتی تھی آپؐ اسی طرف رخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے[۱]

....اور حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے:

ان النبیؐ کان یصلی التطوع و ھو راکب فی غیر القبلۃ (۲)

حضورؐ نفل نماز سواری کی حالت میں استقبال قبلہ کے بغیر پڑھتے تھے۔

جمعہ کے دن سفر

ایسے لوگ جن پر جمعہ فرض ہے، ان کے لئے جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر کرنا مکروہ ہے (۳) البتہ زوال سے پہلے سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، آپؐ نے جمعہ کی صبح کو لشکر روانہ فرمایا ہے: بعث النبیؐ عبداللہ بن رواحہ فی سریۃ فوافق ذلک یوم الجمعۃ فغدا اصحابہ..... (۴)

سفر میں روزہ

مسافروں کے لئے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں اختیار ہے۔ چنانچہ مؤطا امام مالک کی روایت ہے:

ان حمزۃ بن عمرو الاسلمی قال لرسول اللہ یا رسول اللہ! انی رجل اصوم فی الحضر أفاصوم فی السفر؟ فقال لہ رسول اللہ ان شئت فصم وان شئت فافطر (۵)

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے حضورؐ سے کہا: یا رسول اللہ! میں حضر میں تو روزہ رکھتا ہوں، کیا میں سفر میں بھی روزہ رکھوں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو روزہ رکھو اور چاہو تو نہ رکھو۔

---

(۱) بخاری ۱/۱۴۸۔ (۲) حوالہ سابق۔

(۳) کبیری: ۵۲۴۔ اور دیکھئے: العرف الشذی علی الترمذی ۱/۱۱۷۔

(۴) ترمذی ۱/۱۱۸، باب ما جاء فی السفر یوم الجمعہ۔

(۵) مؤطا امام مالک: ۹۰۔

سفرِ حج

حج ایک اسلامی فریضہ ہے، آپؐ نے سفرِ حج پر نکلنے والوں کیلئے بڑے اجر و ثواب کی بشارتیں سنائی ہیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

من خرج حاجاً او معتمراً او غازیاً ثم مات فی طریقه کتب الله له اجر الغازی والحاج والمعتمر (۱)

جو شخص حج، عمرہ یا جہاد کی نیت سے نکلے اور راستہ میں مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مجاہد، حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھیں گے

اور حج کیلئے نہ نکلنے والوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

من ملك زاداً وراحلة تبلغه الی بیت الله ولم یحج فلا علیه ان یموت یهودیاً او نصرانیاً (۲)

جو آدمی خانۂ کعبہ تک کی سواری اور سفر خرچ کا مالک ہو جائے پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کوئی غم نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔

⁘ ⁘ ⁘ ⁘

سفرِ جہاد

دینی مقاصد کے تحت جو سفر کئے جاتے ہیں ان میں ایک اہم سفر "جہاد کا سفر" ہے، اس لئے آپؐ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں چلنے سے مجاہد کے پاؤں پر جو گرد پڑتی ہے، قیامت میں اس حصہ کو آگ نہیں چھو سکتی: ما اغبرت قدما عبد فی سبیل الله فلا تمسه النار (۳) اور ایک حدیث میں ہے:

انتدب الله لمن خرج فی سبیله لایخرجه الا ایمان بی وتصدیق

جو آدمی ایمانی جذبہ سے اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کہتے

---

(۱) مشکوٰۃ ۱/۲۲۳، کتاب المناسک۔

(۲) ترمذی ۱/۱۶۷، باب ماجاء من التغلیظ فی ترکِ الحج۔

(۳) بخاری ۱/۳۹۴۔

برسلی ان ارجعه بمانال من اجر او غنیمة او ادخله الجنة" (۱)

ہیں کہ میں اس کو ثواب اور مالِ غنیمت کیساتھ لوٹاؤں گا یا اس کو جنت میں داخل کروں گا۔

سفرِ دعوت

آپؐ نے جن اہم مقاصد کے تحت سفر فرمایا یا صحابہ کو روانہ کیا، ان میں ایک اہم مقصد "دعوتِ دین" بھی تھا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

ان رسول اللہ بعث معاذاً الی الیمن فقال انك تاتی قوماً اهل الکتاب فادعهم الی شهادة ان لا الٰه الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان اللہ قد فرض علیهم خمس صلوات فی الیوم واللیلة، فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان اللہ قد فرض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم، فان هم اطاعوا لذلك فایاكم وكرائم اموالهم، واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین اللہ حجاب۔ (۲)

آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن تبلیغ کیلئے بھیجا اور فرمایا، تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہلِ کتاب ہے، لہذا ان کو پہلے توحید کی دعوت دینا، اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن و رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ واجب قرار دی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غرباء و مساکین پر تقسیم کی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو تم ان کا چنیدہ مال لینے سے گریز کرو اور مظلوم کی بد دعا سے بچو، اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

حصولِ علم کیلئے سفر

حصولِ علم کیلئے سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے،

(۱) بخاری ۱/۱۰، نسائی ۲/۵۵۔ ط: دیوبند۔ (۲) بخاری ۱/۱۸۷۔

اور آپؐ نے اس کی ترغیب دی ہے :

عن کثیر بن قیس قال کنت جالساً عند ابی الدرداء فی مسجد دمشق فاتاہ رجل فقال : یا ابا الدرداء ! اتیتك من المدینة مدینة الرسولؐ لحدیثٍ بلغنی انك تحدث بہ عن النبیؐ ، قال فما جاء بك تجارة ؟ قال : لا ، قال : ولا جاء بك غیرہ ؟ قال : لا ، قال فانی سمعت رسول اللہ یقول : من سلك طریقاً یلتمس فیہ علماً سھل اللہ لہ طریقاً الی الجنة (۱)

کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو درداءؓ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا، ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا : اے ابو درداءؓ میں آپ کے پاس مدینہ منورہ سے ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں ، مجھے معلوم ہوا کہ آپ اس حدیث کو حضورؐ سے روایت کرتے ہیں ۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا : تم تجارت کی غرض سے تو نہیں آئے ؟ اس نے کہا : نہیں ، انہوں نے پھر پوچھا : اور کوئی دوسری غرض تو نہیں تھی ؟ اس نے کہا : نہیں ، تو ابو درداءؓ نے کہا : میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے : جو آدمی طلبِ علم کے لئے سفر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں ۔

(۱) ابن ماجہ ۱/۲۰ - ابو داؤد ۲/۵۱۳ -

نسیم احمد مظفر پوری

مالی سزا
شریعت کی نظر میں

(قسط دوم)

امام ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تحقیق

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم جوزی حنبلی مسلک کے پیرو کاروں میں ہیں مگر بعض مسائل میں یہ دونوں اکابر اپنے اجتہاد پر گامزن ہیں، یہ دونوں حضرات "تعزیر مالی" کے جواز کے قائل ہیں" الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ان کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

وخالف ابن تیمیۃ وابن القیم وقالا: ان التعزیر بالمال سائغ إتلافاً وأخذاً۔ (۱)

ابن تیمیہ اور ابن القیم نے مسلکِ حنبلی کے خلاف کرتے ہوئے کہا کہ تعزیرِ مالی جائز ہے، چاہے مال تلف کر کے تعزیر کی جائے یا مال لے کر۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"عقوباتِ مالیہ کے ذریعہ مخصوص مقامات میں تعزیر امام مالکؒ، احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق جائز ہے" (۲)

دلائل

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کیلئے اولاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں کو حجت اور دلیل بنایا ہے جن میں آپ سے

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۷۱/۱۲۔ (۲) الطرق الحکمیۃ ص: ۲۶۶۔

"تعزیر مالی" منقول ہے، ثانیاً خلفائے راشدین کے فیصلے جن میں "تعزیر مالی" دی گئی، ثالثاً یہ کہ تعزیرِ مالی کا ثبوت احادیث و آثار سے ہے مگر اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل کتاب و سنت اور اجماعِ امّت سے نہیں ملتی۔ تفصیل یہ ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

امام شمس الدین ابو عبد اللہ المعروف با بن القیم الجوزی (۶۹۱ھ-۷۵۱) نے "تعزیر مالی" کے جواز پر روشنی ڈالتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ ۱۲ ایسے قضایا اور فیصلے تحریر کئے ہیں، جن میں آپؐ نے مجرم کو مالی سزا دی ہے۔ وہ فیصلے یہ ہیں :-

۱ — جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ صادر فرمانا کہ جو شخص حرم مدینہ میں شکار کرے، یہ شخص جسے ملے اسے اجازت ہے کہ اس سے شکار چھین لے۔

۲ — حرمتِ خمر کے نزول کے بعد آپؐ نے شراب کے مٹکوں اور اس کے ظروف کو توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا۔

۳ — آپؐ نے عبد اللہ ابن عمر کو حکم دیا کہ وہ اپنے دونوں زرد شدہ کپڑے جلا ڈالیں۔

۴ — غزوۂ خیبر کے موقعہ پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم ہانڈیوں میں گدھوں کے گوشت پکا رہے تھے، جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان برتنوں کے توڑ دینے کا حکم فرمایا جن میں گوشت پکائے جا رہے تھے، صحابہؓ نے آپؐ سے ان برتنوں کو دھو کر پاک کرنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں امر (برتنوں کا توڑنا اور دھو کر ان کو پاک کرنا) جائز تھا، کیونکہ برتنوں کو توڑ کر عقوبت واجب نہیں تھی۔

۵ — (منافقین کی تعمیر کی ہوئی) مسجدِ ضرار کو منہدم کرنے کا حکم دیا اور وہ منہدم کر دی گئی۔

۶ — مالِ غنیمت میں سے خیانت کرنیوالے کے مال کو جلانے کا حکم صادر فرمایا۔

۷ — اسی طرح کھجور اور سبزی جس کی چوری کی صورت میں قطعِ ید کا حکم نہیں ہے، اس

کی چوری کرنے والے پر آپؐ نے دوگونہ تاوان واجب فرمایا۔

۸—— جو شخص لقطہ میں پائے ہوئے بھٹکے ہوئے جانور کو چھپائے اس پر بھی دو گونہ تاوان واجب کیا گیا۔

۹—— آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر قاتل اپنے امیر پر ظلم کرے تو اسے اس کے سازو سامان سے محروم کر دیا جائے گا۔

۱۰—— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے شخص سے نصف مال وصول فرمایا تھا۔

۱۱—— ایک شخص سونے کی انگوٹھی پہن کر آپؐ کی خدمت میں باریاب ہوا، آپ نے فرمایا، انگوٹھی نکال کر پھینک ڈالو اور اس نے انگوٹھی پھینک دی۔

۱۲—— یہودیوں کو برانگیختہ کرنے کیلئے ان کے کھجور کے باغات کو کاٹنے کا حکم فرمایا۔

۱۳—— اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کی قوم بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں لگ گئی تو کوہِ طور سے واپسی کے بعد انہوں نے اس بچھڑے کو آگ میں ڈال کر اس کی راکھ کو دریا میں ڈال دیا۔

آثارِ خلفائے راشدین

۱—— حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اس مکان کو جلا ڈالا جس میں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

۲—— حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب اپنے گورنری کے دور میں رعیت سے چھپ کے اپنے مکان ہی میں بیٹھ کر لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے لگے تو حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو جلوا دیا (۱)۔

---

(۱) الطرف الحکمیہ لابن القیم الجوزی، ص ۲۶۶ —— ۲۶۷۔ ط: دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان۔ تبصرۃ الحکام، ابن فرحون مالکی ۳/۲۰۳۔ ضوابط الملکیۃ فی الفقہ الاسلامی/ ۱۶۹۔ الموسوعۃ الفقہیہ ۱۲/۲۱

۳ —— ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آکر دستِ سوال دراز کرنے لگا، حضرت عمرؓ کو اس سائل کے پاس کفایت سے زیادہ کھانے کی چیز مل گئی، اس کے باوجود وہ سوال کررہا تھا، آپؓ نے اس کے پاس جو کھانے کی شئی تھی، اسے چھین کر صدقہ کے اونٹ کو کھلا دیا۔

۴ —— اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لبنِ مغشوش (ملاوٹ شدہ دودھ) کو بہادینے کا حکم صادر فرمایا (۱)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے "تعزیر بالمال" کے جواز پر محققانہ بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

> "تعزیرِ مالی امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق مخصوص مقامات میں، اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بعض مقامات میں بلا اختلاف اور بعض مقامات میں اختلاف کے ساتھ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق (اگرچہ اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے) مشروع ہے، جیساکہ اس کے جواز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دلالت کرتی ہے"۔

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ فیصلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک فیصلہ اور حضرت عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب اور عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہم کے پانچ فیصلے ذکر کئے ہیں جن میں تعزیر مالی کی گئی ہے، ان قضایا کے تذکرہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔

وهذه القضايا كلها صحيحة معروفة عند أهل العلم بذلك ونظائرها متعددة (۲)	یہ تمام فیصلے صحیح ہیں، اہلِ علم کے نزدیک معروف ہیں اور اس کی متعدد نظیریں ہیں۔

---

(۱) تبصرۃ الحکام ۲/۲۰۳۔

(۲) مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ ۲۸/۱۰۹ —— ۱۱۱۔ مطبوعہ ۱۴۱۴ھ

دعویٰ نسخ کی حقیقت

جو حضرات" تعزیر مالی "کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، ان کی طرف سے سب سے قوی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ" تعزیرِ مالی" ابتدارِ اسلام میں جائز تھی مگر پھر منسوخ ہوگئی۔ فقہ حنفی کی اکثر مستند و معتبر کتابوں میں اسے منسوخ قرار دیا گیا ہے (۱) مگر مدعیانِ نسخ نے اپنے دعویٰ نسخ پر کوئی ثبوت قرآن وسنت سے پیش نہیں کیا ہے کہ تعزیر مالی کب اور قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے منسوخ ہوئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ان کے شاگرد ابن القیم جوزی، متاخرین میں یوسف القرضاوی، ابن فرحون مالکی، ڈاکٹر عدنان خالد الترکمانی وغیرہم کا کہنا ہے کہ" تعزیر مالی" کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کے جواز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے فیصلے موجود ہیں، جب کہ دعویٰ نسخ کا کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ دعویٰ نسخ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"جو شخص کہتا ہے کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں اور اسے امام مالک و احمد کے اصحاب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اس نے ان دونوں کے مذہب کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور جس نے مطلقاً بغیر کسی امام کے مذہب کی طرف منسوب کیے ہوئے یہ بات کہی ہے تو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں تمام مالی تعزیرات کو حرام قرار دیا گیا ہو، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اور اکابرِ صحابہ نے "تعزیر مالی" کا فیصلہ فرمایا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ" تعزیر مالی" محکم ہے منسوخ نہیں ہے" (۲)

---

(۱) ردالمحتار ابن عابدین ۶۱/۴ (۲) مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ ۱۱۱/۲۸۔

علامہ ابن القیم "الطرق الحکمیہ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے فیصلے ذکر کرنے کے بعد "دعویٰ نسخ" کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"جو شخص علی الاطلاق "عقوباتِ مالیہ" کے نسخ کا دعویدار ہے اس نے نقل و استدلال کے اعتبار سے ائمہ کے مذاہب سمجھنے میں غلطی کی ہے، کیونکہ اوپر ذکر کئے گئے مسائل میں سے اکثر میں امام احمد اور امام مالک اور دیگر ائمہ کے نزدیک "تعزیر مالی" کا حکم ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا بہت سے قضایا میں "تعزیر مالی" کا فیصلہ کرنا دعویٰ نسخ کے غلط ہونے کی واضح دلیل ہے۔ مدعیانِ نسخ کے پاس کتاب و سنت اور اجماع سے کوئی دلیل نہیں ہے جس سے انکار دعویٰ صحیح قرار دیا جائے .... الا یہ کہ کوئی صرف یہ کہے کہ ہمارے اصحاب کا مذہب اس بارے میں عدمِ جواز کا ہے۔ جس کا حال یہ ہے کہ اسے قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے اور اگر اصحابِ مذہب سے ہٹ کر یہ بات کہی جائے کہ "تعزیر مالی" بالاجماع منسوخ ہے تو بھی غلط ہے، کیونکہ امت کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع نہیں ہے اور یہ بات بھی محال ہے کہ جو چیز حدیث سے ثابت ہو وہ اجماع کے ذریعہ منسوخ ہو جائے ——— لیکن بالفرض اگر اجماع ثابت ہو جائے تو وہ نصِ ناسخ کی دلیل بن سکتا ہے" (۱)

ڈاکٹر رویعی بن راجح رحیلی "فقہ عمر بن الخطاب" میں "تعزیر مالی" کے منسوخ ہونے کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

" اور بہر حال یہ دعویٰ کہ تعزیر مالی منسوخ ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کے منسوخ ہونے پر کوئی ثبوت فراہم نہیں ہے۔ علامہ نووی شارحِ مسلم

---

(۱) الطرق الحکمیہ ابن القیم الجوزی ص۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

لکھتے ہیں: جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تعزیرِ مالی ابتدارِ اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی ـــ تو اس کا نسخ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے مابین معروف ہے۔ ابن قیم نے لکھا ہے: عقوبتِ مالی منسوخ نہیں ہے اور جس نے کہا کہ وہ منسوخ ہے تو اس نے نقل و استدلال کے ذریعہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کو سمجھنے میں غلطی کی"(۱)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی" تعزیرِ مالی" کے جواز پر مدلل گفتگو کرنے کے بعد دعویٰ نسخ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فالصحیح ان العقوبة بالمال لم تنسخ (۲) اور صحیح بات یہ ہے کہ تعزیرِ مالی منسوخ نہیں ہوئی ہے

علامہ ابن فرحون مالکی نے بھی "تبصرة الحکام" میں نسخ کے دعویٰ کی تردید کی ہے"(۳)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا رُجحان

ڈاکٹر یوسف القرضاوی عالمِ اسلام کے موجود ممتاز علمار میں شمار کئے جاتے ہیں، تعزیرِ مالی ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔ چنانچہ" فقہ الزکوة" میں "تعزیرِ مالی" کے جواز پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض علمار کا خیال ہے کہ عقوبتِ مالی جائز نہیں ہے ـ تعزیرِ مالی ابتدارِ اسلام میں جائز تھی مگر بعد میں منسوخ ہوگئی ـــ اور یہ تشدد ہے ان لوگوں کی طرف سے ـ ان کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے "ان اللہ حرم علیکم دماؤکم واموالکم" کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے اوپر ایک دوسرے کے خون اور مال کو حرام قرار دیا ہے ـ نیز حضرات صحابہ نے مانعینِ زکوٰة سے

---

(۱) فقہ عمر بن الخطاب ۳۶۱/۱۔

(۲) فقہ الزکوٰة ـ یوسف القرضاوی ۱۰۷۱/۲۔

(۳) تبصرة الحکام ۲۰۳/۲۔

قتال کیا مگر ان سے واجب شدہ زکوٰۃ کے علاوہ کچھ وصول نہیں کیا مگر اس حدیث سے استدلال کرنا اس لئے درست نہیں ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ بعض لوگوں نے اس بات کا سہارا لیا ہے کہ تعزیر مالی ابتداءً مشروع تھی پھر منسوخ کردی گئی، لیکن قائلینِ نسخ کے پاس اس کا کوئی ثبوت اور دلیل نہیں ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ تعزیر مالی کے جواز پر بے شمار دلائل ہیں۔" چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"فالصحیح ان العقوبة بالمال لم تنسخ، وقد ذکر المحقق ابن القیم فی الطرف الحکمیة خمس عشرة قضیة لرسول صلی الله علیه وسلم و الخلفاء الراشدین تحققت فیها العقوبة بالمال"۔ (۱)

پس صحیح بات یہ ہے کہ تعزیر مالی منسوخ نہیں ہوئی ہے، محقق ابن القیم نے "الطرف الحکمیة" میں رسولؐ اور خلفاءِ راشدین کے پندرہ فیصلوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں مجرموں کو بطور تعزیر مالی سزائیں دی گئیں۔

سید سابق کی تحقیق

صاحبِ "فقہ السنة"، سید سابق اس موضوع پر محققانہ بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"تعزیر مالی جائز ہے۔ یہی حضرت امام ابو یوسف کا مسلک ہے، امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ صاحب "معین الحکام" نے لکھا ہے کہ جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ "تعزیر مالی"، منسوخ ہے تو اس نے نقل و استدلال کے ذریعہ مذاہب اربعہ کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اس کے نسخ کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے، مدعیانِ نسخ کے پاس

---

(۱) فقہ الزکوٰۃ ۔ یوسف القرضاوی ۲/

قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے کوئی ثبوت فراہم نہیں ہے جس سے ان کا دعویٰ نسخ صحیح قرار پائے (۱)

ڈاکٹر رویعی بن راجح رحیلی کا میلان

ڈاکٹر رویعی اپنی گرانقدر تالیف "فقہ عمر بن الخطاب" میں تعزیر بالمال کے جواز پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"ظاہر مذہب یہ ہے کہ "تعزیر مالی" جائز ہے جب کہ امام اسے اپنے لئے نہ وصول کرے بلکہ اسے مجرم کی تادیب اور زجر و توبیخ کیلئے وصول کرے، پھر اسے بیت المال میں رکھ دے اور اگر وہ اس کے لوٹانے میں مصلحت سمجھے تو اسے اس کا بھی اختیار رہے بشرطیکہ لوٹانا خلافِ مصلحت نہ ہو، اور اسے اس کا بھی حق ہے کہ اس مال کو تلف اور ضائع کردے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ ضرار کے ساتھ کیا، اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاوٹ شدہ دودھ کو بہا دیا۔ اور بہر حال یہ دعویٰ کہ تعزیر مالی منسوخ ہے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس کے منسوخ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے" (۲)

قولِ جواز کے راجح ہونے کے دلائل

ان تفصیلات و توضیحات سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ تعزیر مالی کے جواز اور عدمِ جواز میں علماء کے اقوال اور ان کی آراء مختلف ہیں۔ حنفیہ میں امام ابو حنیفہ، امام محمد اور کتبِ احناف کی صراحت کے مطابق ائمہ ثلاثہ حضرت امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل "تعزیر مالی" کو ناجائز قرار دیتے ہیں،

(۱) فقہ السنۃ: سید سابق ۵۹۲ - (۲) فقہ عمر بن الخطاب، رحیلی ۱/۳۶۱ -

حضرت امام ابو یوسف اور علامہ ابن تیمیہ' ابن القیم اور دیگر بعض علماء کی تصریحات کے مطابق امام مالک، امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد "تعزیر مالی" کے جواز کے قائل ہیں ——— جو حضرات "تعزیر مالی" کو ناجائز کہتے ہیں انکے پاس دو بنیادی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر تعزیر مالی" کو جائز قرار دیدی جائے تو ظالم و جابر حکمرانوں کو موقع مل جائے گا اور وہ اس طریق سے ناحق لوگوں کے اموال ہڑپ کریں گے، دوسری دلیل ہے کہ "تعزیر مالی" ابتداءِ اسلام میں مشروع تھی مگر بعد میں منسوخ ہو گئی۔

جہاں تک دلیلِ اول کا تعلق ہے تو یہ "سد ذرائع" کے قبیل سے ہے، یعنی ان علماء نے محض "سد ذریعہ" کے طور پر اسے ناجائز قرار دیا ہے، مگر راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں جب کہ ہندوستان سے ہماری سلطنت و اقتدار کا خاتمہ ہو چکا، حکومت کا نظام اسلامی اصولوں سے ہٹ کر جمہوری اصول و اقدار پر استوار ہے۔ حدود اللہ کے اجراء و نفاذ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مرتکبینِ جرائم کو معاصی اور جرائم سے روکنے کا اس کے علاوہ کوئی طریقہ باقی نہیں رہا کہ "تعزیر مالی" کی اجازت دی جائے۔ اگر ان حالات میں "تعزیر مالی" پر بھی روک لگادی گئی تو پھر جرائم پیشہ افراد کو کھلی چھوٹ مل جائے گی اور ان کو جرائم سے روکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا جا سکتا، اس لئے آنے والی تفصیل کے ساتھ "تعزیر مالی" کی اجازت ہوگی۔ اور بقول مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن دیوبند "عوام کو سوائے جرمانہ کے اور کسی طریق سے تنبیہ ہونا دشوار ہے۔"

حضرت مفتی صاحب سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے "تعزیر مالی" کی اجازت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> "ترکِ نماز کی وجہ سے ہر ایک تعزیر سخت سے سخت دینا جائز ہے، یہاں تک کہ تارکِ نماز کو قتل کر دینا بھی ائمہ سے منقول ہے، پس جس طریق سے بے نمازی کو پابند نماز بنا سکیں وہ ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عوام کو سوائے جرمانہ کے اور کسی طریق سے تنبیہ ہونا دشوار ہے اور

ہر ایک تعزیر کو ہر ایک شخص جاری بھی نہیں کر سکتا اور جرمانہ مالی بکیفیت خاص ائمہ سے منقول ہے : قال فی الشامی : وافاد فی البزازیۃ : ان معنی التعزیر بأخذ المال علی القول بہ امساك شیئ من مالہ عند مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ الخ"(۱)

نیز یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہنی چاہیے کہ "سدِ ذریعہ" کوئی مستقل دلیلِ شرعی نہیں ہے کہ ہر حال میں اس پر عمل کرنا واجب ہو۔ اسی طرح دوسری دلیل دعویٔ نسخ بھی بے وزن ہے، کیوں کہ مدعیانِ نسخ نے "نسخ" پر کوئی دلیلِ شرعی قائم نہیں کی، اور بغیر دلیل وثبوت کے نسخ کا دعویٰ باطل قرار پائے گا —— اس کے برخلاف قائلینِ جواز کا استدلال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ خلفاءِ راشدین کے ان قضایا و واقعات سے ہے جن میں ان حضرات نے مجرمین کو بطور تعزیر مالی سزائیں دی ہیں۔ اس کے علاوہ دلیلِ عقلی کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ "تعزیرِ مالی" کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ ہندوستان جیسے ممالک جن میں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں کے مجرموں پر حدودِ شرعیہ کا نفاذ ممکن ہی نہیں، ان کو جرائم و معاصی اور سیئات سے باز رکھنے کے لئے "تعزیرِ مالی" ہی مؤثر بن سکتی ہے۔

حنفیہ کی کتابوں میں امام ابو یوسف کے قول کو "ضعیف" قرار دیا گیا ہے۔ اگر اس کے ضعف کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی دیگر دلائل کی روشنی میں اسی قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔ عمدۃ المتأخرین علامہ ابن عابدین شامی نے صراحت کی ہے کہ اگر حاجت و ضرورت داعی ہو تو قولِ مرجوح اور قولِ ضعیف پر بھی فتویٰ دیا جا سکتا ہے، اس کی انہوں نے کئی مثالیں بھی دی ہیں (۲)، اور اس جگہ حاجت و ضرورت موجود ہے۔ اس لئے فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر دیا جائے گا۔ نیز شامی نے اپنے رسالہ "رسم المفتی" میں صراحت کی ہے کہ وہ مسائل جن کا تعلق قضا سے ہو ان میں

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم جدید ۲۳۴/۱۲-

(۲) ردالمحتار ۶۹/۱-

امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح ہوگی (۱) اور ظاہر ہے کہ "تعزیر مالی" کا تعلق بابِ قضا سے ہی ہے۔ کیونکہ مالی سزا دینے کا حق سلطان کو ہے یا پھر قاضی کو، لہٰذا اس اعتبار سے بھی امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔"

مالی سزا دینے کا اختیار کس کو ہے؟

اب اس جگہ ایک اہم سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ "مالی سزا" دینے کا حق کس کو حاصل ہے؟ فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "تعزیر مالی" کا اختیار یا تو سلطانِ وقت کو ہے یا پھر قاضی شریعت کو۔

علامہ ابن عابدین شامی، ابن نجیم مصری اور فتاویٰ ہندیہ میں لکھا ہے کہ اس کا حق سلطان کو ہے (۲) اور صاحب خلاصۃ الفتاوی کی صراحت کے مطابق اس کا حق سلطان اور قاضی دونوں کو حاصل ہے (۳) مگر ہندوستان اور اس جیسے دیگر ممالک جن میں غیر مسلم افراد برسرِ اقتدار ہیں ان میں "عقوبتِ مالی" کا اختیار کس کو ہوگا؟

تو اس سلسلہ میں اس ناچیز کا خیال یہ ہے کہ جن صوبوں میں امارتِ شرعی کا نظام قائم ہے وہاں اس کا اختیار قاضی شریعت کو دے دیا جائے اگر وہ کسی مجرم کے حق میں "تعزیر مالی" کو ضروری سمجھے تو اسے "مالی سزا" دے سکتا ہے، جہاں نظامِ قضا قائم نہ ہو، وہاں مقامی شرعی پنچائت کو بھی چند شرائط کے ساتھ اس کا اختیار دیا جاسکتا ہے:

(۱) اس پنچائت میں کم سے کم ایک مستند و متدین عالم دین ضرور ہو۔
(۲) مالی جرمانہ کرنے میں اپنے نفس کی پیروی یا ادعار نفس نہ ہو۔ محض معاصی و جرائم سے روکنے اور زجر و توبیخ کے لئے مالی جرمانہ کیا جائے۔

---

(۱) رسم المفتی (۲) ردالمحتار ۴/۶۱، بحرالرائق ۵/۴۴، فتاویٰ ہندیہ ۴/۱۶۷
(۳) خلاصۃ الفتاویٰ ۴/۴۴۴ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ۔

(۳) مجرم کی مالی حیثیت اور جرم کے لحاظ سے جرمانہ کی رقم کا تعین کیا جائے۔

(۴) جرمانہ کسی معصیت اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب پر کیا جائے۔ کسی جائز اور مباح کام پر جرمانہ درست نہ ہوگا۔

(۵) اگر مجرم تائب ہو جائے تو جرمانہ کی رقم اسے واپس کر دی جائے یا اس کی اجازت سے رفاہِ عام کے کاموں یا کسی بھی کارِ خیر مثلاً تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کی جائے اور اگر تائب نہ ہو تو جرمانہ کی رقم قاضی شریعت یا پنچائت کے اراکین اپنی صوابدید کے مطابق رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کریں۔

مالی سزا کی مقدار

مالی سزا کے تعین میں مجرم کی حیثیت اور جرم وجنایت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ہر جرم پر یکساں جرمانہ یا ہر شخص پر ایک طرح کا جرمانہ عائد کرنا درست نہ ہوگا صاحب "التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ"، متناسب جرمانہ پر نفیس بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"متناسب جرمانہ وہ ہوتا ہے جس کی مقدار پہلے سے متعین نہیں ہوتی البتہ وہ غیر ثابت کیفیت سے متعین کی جاتی ہے۔ یہ جرمانہ متناسب ہوتا ہے اور یہ جرم اور جرم سے پیدا ہونے والے نقصان کیساتھ ساتھ گھٹتا بڑھتا جاتا ہے یا کسی موجود صورتِ حال میں جو مصلحت کارفرما ہوتی ہے اس کے مطابق سزا بھی متعین ہو جاتی ہے، اسلئے متناسب سزائے جرمانہ جرم کے ہر واقعہ میں ایک نسبت سی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے —— بے شمار مثالیں ایسی ہیں جن میں عائد کردہ سزائے جرمانہ متناسب ہے۔ مثلاً جو شخص بھٹکے ہوئے جانور کو چھپالے اس پر دو گنا جرمانہ عائد کیا جائے گا، وغیرہ وغیرہ"۔

حاصل یہ ہے کہ مالی سزا جرم کے لحاظ سے متعین کی جانی چاہیئے۔ ہر جرم پر ایک رقم باندھ دینا درست نہیں ہوگا۔ نیز اس میں مجرم کی حیثیت کو بھی ملحوظ نظر رکھا جانا چاہیئے۔ اتنا جرمانہ عائد نہ کیا جائے جس کی ادائیگی دشوار ہو۔

مالی جرمانہ کا مصرف

جن فقہاء سے "تعزیر مالی" کا جواز منقول ہے، ان کے یہاں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ "مالی جرمانہ" کی رقم سلطان یا قاضی اپنی ذات کیلئے وصول نہیں کرسکتا (۱) اور بعض روایاتِ فقہیہ کے مطابق اسے بیت المال میں بھی رکھنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ مجرم کے مال کی ایک خاص مقدار سلطان یا قاضی اپنے پاس اس وقت تک روکے رکھے جب تک کہ وہ تائب نہ ہو جائے، تائب ہونے کے بعد وہ رقم اسے واپس کردی جائے (۲)، یا اس کی اجازت سے کسی کارِ خیر میں لگا دی جائے۔ اور اگر اس کے تائب ہونے سے مایوسی ہو جائے تو پھر اس رقم کو سلطان یا قاضی اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے صرف کرسکتا ہے۔ راقم الحروف کا خیال یہ ہے:

۱۔ اگر مجرم تائب ہو جائے تو جرمانہ والی رقم اسے واپس کردی جائے یا پھر اس کی اجازت و رضامندی سے جس مصرف میں چاہے صرف کی جائے۔

۲۔ اس کے تائب ہونے سے مکمل مایوسی کی صورت میں اس رقم کو قاضی شریعت اور پنچائت کے اراکین رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کریں۔ اس صورت میں مجرم سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصۂ مباحث

(۱) الف۔ لفظ تعزیر باعتبارِ لغت مطلق تادیب کے معنی میں مستعمل ہے اور شریعت کی اصطلاح میں حدِ شرعی سے کم درجہ والی تادیب کو "تعزیر" کہا جاتا ہے۔

---

(۱)، (۲) البحر الرائق ۵/۴۴، فتاویٰ ہندیہ ۲/۱۶۷۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵/۴۰۱۔

ب۔ تعزیر کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی تعزیر مارپیٹ کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی قید و حبس کے ذریعہ، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ اور کبھی مالی جرمانہ کے ذریعہ۔

ج۔ تعزیر اور حد میں دس چیزوں کے اعتبار سے فرق ہے جس کا تذکرہ ماقبل میں کیا جاچکا ہے۔

احکام:

(۲) الف۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد "تعزیر مالی" کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

ب۔ امام ابویوسف، امام مالک کا قولِ مشہور، امام احمد بن حنبل اور ایک قول کے مطابق امام شافعی اور متأخرین علماء میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم جوزی، یوسف القرضاوی، خالد الزکمانی اور صاحبِ "فقہ عمر بن الخطاب" ڈاکٹر رویعی رحیلی "تعزیر مالی"، کو جائز قرار دیتے ہیں۔

ج۔ قائلینِ جواز کا استدلال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین کے وہ عدالتی فیصلے ہیں جن میں ان حضرات سے مالی جرمانہ ثابت ہے۔

د۔ تعزیرِ مالی کے جواز کا قول راجح ہے۔

(۳) مالی سزا دینے کا اختیار قاضی شریعت یا اس پنچائت کو ہے جس میں کم سے کم ایک معتمد اور متدین عالمِ دین ضرور ہو۔

(۴) مالی سزا صرف معاصی و کبائر پر ہی دی جاسکتی ہے، کسی جائز و مباح امر پر اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۵) مالی سزا کے تعین میں مجرم کی مالی پوزیشن اور جرم کے چھوٹے بڑے ہونے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۶) زنا، چوری اور قتلِ ناحق وغیرہ جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حدود مقرر ہیں مگر چونکہ ہندوستان جیسے ممالک میں ان کا اجراء و نفاذ ممکن نہیں ہے اس لیے ان جرائم کی روک تھام اور اصلاحِ معاشرہ کے پیشِ نظر

ان جرائم پر بھی مالی سزائیں دینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(۷) مالی جرمانہ کا مصرف یہ ہے کہ اگر مجرم تائب ہو جائے تو وہ رقم اسے واپس کر دی جائے اور اگر تائب نہ ہو تو اسے رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کر دی جائے۔

ھٰذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

صفا کی توسیعِ اشاعت

آپ کا اس میں حصّہ لینے کا مطلب!

- اردو کے گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کرنا ہے۔
- علوم نبوت اور دینی دعوت کو عام کرنا ہے۔
- تعمیری اور اصلاحی پیغام کو ہر در اور ہر گھر تک پہنچانا ہے۔
- جدید دنیا کے جدید مسائل سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔
- کلمہ کی اساس اور بنیاد پر اپنے جذبۂ اخوت کو پروان چڑھانا اور ملّی شناخت کی عظمت کو پہچاننا ہے۔ شہری زندگی کے اصول وآداب کو جاننا ہے۔

امید ہے کہ آپ اپنا یہ حصّہ پوری دردمندی اور فکرمندی کے ساتھ ادا فرمائیں گے۔

امتحان ہے تیرے ایثار کا خودداری کا

(ادارہ)

محمد رضوان القاسمی

ہجرت اور سنہ ہجری
تاریخی، تذکیری اور فقہی پہلو

لغت میں ہجرت، ہجران اور ہجر کے معنیٰ ہیں کسی چیز سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دینا اور محاوراتِ عامہ میں ہجرت کا لفظ ترکِ وطن کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاحِ شرع میں دار الحرب کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں، کسی وطن کو دینی وجوہ پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے ہجرت کرنے والے کو مہاجر کہتے ہیں اور مہاجر اصل میں کون ہے؟ اس کی تعریف جو لسان نبوی ؐ سے ادا ہوئی ہے، اس سے ہجرت کی صحیح حقیقت سامنے آتی ہے، آپ ؐ کا ارشاد ہے: ”مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے، جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ نے منع فرمایا ہے“۔

ہجرت کی تاریخ بہت پرانی ہے، انبیاء سابقین میں حضرت ابراہیم ؑ، حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت داؤد ؑ کی ہجرت کے واقعات کافی مشہور رہیں، لیکن جو شہرت اور عظمت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری ہجرت کو حاصل نہیں ہے۔

مشرکینِ مکہ کی پیہم اذیتوں سے تنگ آکر اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے مدینہ کی سرزمین کو سازگار پاکر حکمِ خداوندی کے تحت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا عزم آپ ؐ فرما چکے ہیں، نبوت کا تیرہواں سال ہے، صفر کی ۲۷ تاریخ، دن پنجشنبہ کا، جمعہ کی شب، دشمن شہید کرنے کے لئے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، آپ ؐ اٹھتے ہیں، حضرت علی ؓ کو اپنے بستر پر سلا دیتے ہیں، مکہ والوں کی امانتیں انہیں کے سپرد فرماتے ہیں، آپ ؐ گھر سے نکل رہے ہیں، ہاتھ میں تھوڑی مٹی ہے، قریشی خونخواروں کی آنکھوں کی طرف پھینک رہے ہیں، سورۂ یٰسین کی آیات ابتداء سے فَاَغْشَیْنٰاھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ تک تلاوت فرما رہے ہیں، دشمنوں کی بصارت سلب ہو چکی ہے، کسی نے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا، صبح کے وقت آپ ؐ کو بستر پر نہ پا کر اہلِ مکہ کو سخت حیرت بھی ہے اور ندامت بھی۔ ویسے تو آپ ؐ رات ہی کے حصہ میں حضرت ابو بکر ؓ کے پاس آکر انہیں اپنی رفاقت میں لئے ہوئے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔

دشمن کے تعاقب کے خیال سے رات کی تاریکی ہی میں غارِ ثور میں چھپ جاتے ہیں، یہاں خفیہ طریقہ پر شام ڈھلے حضرت ابوبکرؓ کی دخترِ نیک اختر حضرت اسماءؓ کھانا پہنچانے جایا کرتی ہیں، ان کے غلام عامر بن فہیرہ دودھ کے لئے بکریوں کے ریوڑ لے آتے ہیں اور انہیں کے صاحبزادے عبداللہؓ شہری احوال اور چہ میگوئیوں کی خبر دیتے رہتے ہیں، تین دن اور تین راتیں گزر چکیں، آج چوتھی شب ہے تاریخ یکم ربیع الاوّل روز دوشنبہ (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) غارِ ثور سے نکلتے ہیں، سواری کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے دو فربہ اونٹنیاں باہر کھڑی ہیں، اب غلام عامر بھی شریکِ سفر ہیں، عبداللہ بن اُریقط کو غیر مسلم ہونے کے باوجود رہبری کے لئے معاوضہ پر طے کر لیا گیا ہے، چار کا قافلہ مدینہ کی جانب رواں دواں ہے۔ قریش کی طرف سے آپؐ کی گرفتاری پر قیمتی انعام کا اعلان ہو چکا ہے، لوگ آپؐ کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اس سلسلہ میں سراقہ بن مالک بن جعشم کی ناکامی کا دلچسپ اور عبرت انگیز واقعہ پیش آتا ہے اور آپؐ ہیں کہ اپنی منزل کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔

راستہ میں ام معبد الخزاعیہ کے پاس سے گزرتے ہیں، آپؐ کی برکت سے ان کی وہ بکری جس کا جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا تیزی سے بھر آتا ہے، سب خوب سیراب ہو کر پیتے ہیں۔ اثنائے راہ میں بریدہ اسلمی سے ملاقات ہوتی ہے، یہ اپنے قبیلے کے ستّر آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو جاتے ہیں، کچھ آگے چل کر زبیر بن العوام اور شام سے واپس آتی ہوئی مسلم تاجروں کی جماعت سے ملاقات ہوتی ہے، یہ لوگ آپؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو سفید پارچہ جات پیش کرتے ہیں۔

۱۲ ربیع الاوّل (بعض نے ۸ اور ۱۸ ربیع الاوّل بھی لکھا ہے) کو مدینہ کی مضافاتی بستی "قبا" میں تشریف لاتے ہیں، چار روز یا چودہ[۱۴] روز قیام فرماتے ہیں، یہاں مسجد قبا کی بنیاد ڈالتے ہیں یہیں حضرت علیؓ مکہ سے آکر ملتے ہیں، یہاں سے جمعہ کے دن مدینہ کے اندرونی حصہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں جمعہ کی نماز ادا فرماتے ہیں، نماز سے قبل بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں یہاں سے آگے بڑھتے ہیں تو تقریباً پانچ سو حضراتِ انصار گرمجوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ عشق و محبت اور خوشی کا ایسا دلکش نظارہ پھر ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔

انصار میں سے ہر ایک آپؐ کی ضیافت کا شرف حاصل کرنے کی بیتاب آرزو رکھتا ہے، لیکن جاگتی ہے قسمت تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی، ان کے گھر میں آپؐ نے سات ماہ قیام فرمایا،

یہاں آکر سب سے پہلی فکر جو آپ کو دامنگیر ہوئی ہے وہ عبادت گاہ اور دینی درس گاہ کی مسجد نبویؐ کی تعمیر اور جامعہ صفّہ کے قیام سے یہ خواہش تکمیل پاتی ہے۔ آپؐ مہاجرین اور انصار میں بھائی چارگی کی فضا قائم کرتے ہیں، اس موقع پر انصار کے ایثار اور مہاجرین کے استغناء اور خودداری کے پُرکیف اور سبق آموز نظارے سامنے آتے ہیں۔ واقعاتِ ہجرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز اور محبوب شئی کو بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن دعوت وعقیدہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں یہ تاریخی حیثیت بھی پیشِ نظر رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر نبوت کے تیرہویں سال، ۲؍ صفر پنجشنبہ کے دن مکہ مکرمہ کو ترک فرمایا تھا، ۱۲؍ ربیع الاوّل دوشنبہ کو مدینہ منورہ کی مضافاتی بستی "قبا" میں آپؐ تشریف لائے، اسلامی تقویم اور اسلامی تاریخ کا آغاز "قبا" میں پہنچنے کے دن ہی سے ہوتا ہے، جس کا پسِ منظر یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور حکومتی کام بھی بہت زیادہ پھیل گیا جس میں لامحالہ تاریخ اور ان کے حوالہ کی ضرورت پیش آئی تو ایک باقاعدہ سنہ تاریخ کا مطالبہ ہر طرف سے شروع ہوا، خود حضرت عمرؓ کو بھی اس کا احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے اصحابِ رائے کو جمع کیا، کافی غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد متفقہ طور پر طے پایا کہ دوسری قوموں کی تاریخ اور سنہ کو ہمیں نہیں لینا ہے بلکہ اسلامی تاریخ کا سنہ، ہجرت کے مہتم بالشان سال کو قرار دینا ہے، جس میں انسانی تاریخ نے عقیدہ وایمان، صبر وثبات اور شجاعت وحوصلہ مندی کا وہ قیمتی راز دریافت کیا تھا جو دنیا کے لئے ایک عقیدۂ لاینحل بنا ہوا تھا، سنہ ہجری سے اسلامی سنہ کے آغاز کا مشورہ ابتداءً اور اصلاً اس مشاورتی اجلاس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیا تھا، جسے حضرت عمرؓ کے ساتھ دوسرے شرکاء نے اس کی گہری معنویت کے پیشِ نظر قبول فرمایا تھا، اسی مجلسِ مشاورت میں اسلامی تاریخ کے سنہ کا پہلا مہینہ محرم متعین کیا گیا، چونکہ عرب حج سے واپسی کے بعد اسی مہینہ سے اپنے کاروبار کی ابتداء کرتے تھے اور یہ مہینہ ہمیشہ سے محترم بھی رہا ہے۔

یہ فیصلہ ۱۷ھ سے ہوا تھا، اس وقت سے اب تک صحابۂ کرامؓ، بزرگانِ دین اور علماءِ عظام قمری مہینوں اور سنہ ھ کا اہتمام کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی اس کے التزام کی تعلیم دیتے رہے ہیں

کیونکہ یہ منجملہ شعائرِ اسلام سے ہے۔ قمری مہینوں کے نام اور زبانِ وحی و نبوت سے ادا ہوئے ہیں اور سنہ ہجری کے بارے میں معلوم ہوا کہ ایک مہتم بالشان واقعہ کی یادگار ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ سنہ ھجری کی دینی، ملّی اور تاریخی حیثیت کو محسوس کریں اور بلاضرورتِ شدیدہ (جیسے کہ آج کل کاروبار میں ہے) اس سنہ کو چھوڑ کر دوسرے سنہ کو اختیار نہ کریں۔

قمری اور شمسی تاریخوں کے اندراج اور اہتمام کے سلسلہ میں مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی درج ذیل تحریر نہایت فکر انگیز اور بصیرت افروز ہے اور اسلامی شریعت کے مزاج و منشاء کی پوری عکاسی اور ترجمانی کرتی ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ سورہ یونس آیت (۵) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور چونکہ احکامِ اسلامی میں ہر جگہ، ہر موقع پر اس کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ان کی ادائیگی ہر شخص کے لئے آسان ہو، خواہ وہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ہو یا ان پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، اس لئے عموماً احکامِ اسلامیہ میں قمری سنہ اور مہینہ اور تاریخوں کا اعتبار کیا گیا ہے، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، عدت وغیرہ اسلامی فرائض و احکام میں قمری حساب ہی رکھا گیا ہے۔

اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز روزہ، حج زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے، مگر اپنے کاروبار، تجارت وغیرہ میں شمسی حساب استعمال کرے، شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے، تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری، فروری وغیرہ کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، فقہاء رحمہم اللہ نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ سنتِ انبیاءؑ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین میں قمری ہی حساب استعمال کیا گیا ہے، اس کا اتباع موجبِ برکت و ثواب ہے۔" (معارف القرآن، جلد ۴، صفحہ ۵۰۰ - ۵۰۶، مصطفائیہ، دیوبند)

اسی انداز کی بات مفتی صاحبؒ نے آیت "یسئلونک عن الاھلۃ" (البقرہ: ۱۸۹) کے ذیل میں قدرے تفصیل سے لکھی ہے، یہ بات بھی اس لائق ہے کہ نظر سے گزر جائے، تاکہ اس موضوع پر کوئی تشنگی باقی نہ رہے اور بات کھل کر سامنے آجائے، مفتی صاحبؒ اپنی مشہور و معروف تفسیر "معارف القرآن" میں

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ذیلی عنوان "قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

" اس آیت سے اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تمہیں تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہو جائے گا، جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ کی بنیاد ہے۔ اسی مضمون کو سورۂ یونس کی آیت میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے: وقدّرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب۔ (یونس) جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گزرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے، مگر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

فمحونا اٰیۃ الیل وجعلنا اٰیۃ النھار مبصرۃ لتبتغوا فضلاً من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب ٥	پھر مٹا یا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو، تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب۔

(بنی اسرائیل آیت ۱۲)

اس تیسری آیت سے اگرچہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جا سکتا ہے، لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ان سے واضح اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ شریعتِ اسلام میں حساب چاند کا متعین ہے، خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور اس کی تاریخوں سے ہے، جیسے روزۂ رمضان، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شب برات وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں وہ سب رویتِ ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں، کیونکہ اس آیت میں "ھی مواقیت للناس والحج" فرما کر بتلا دیا کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک حساب چاند ہی کا معتبر ہے، گرچہ یہ حساب آفتاب سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

شریعتِ اسلام نے چاند کے حساب کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے، عالم، جاہل، دیہاتی، جزیروں، پہاڑوں کے رہنے والے،

جنگلی سب کو اس کا علم آسان ہے، بخلاف شمسی حساب کے، کہ وہ آلاتِ رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے، جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا، پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، جو عبادتِ اسلامی کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہے، اگرچہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں، کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات، روزہ و حج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے، جیسا اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرتِ قومی و ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے، ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط و کتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔" (معارف القرآن جلد ا صفحہ ۴۶۸ ۔ ۴۶۷، مصطفائی، دیوبند)

قمری مہینوں اور سنہ ہجری کے اہتمام کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مسلمانوں کی قومی اور ملی غیرت کو جو آواز دی ہے، اس موقعہ سے شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے یہ دو شعر یاد آرہے ہیں، جن پر زیرِ نظر مضمون ختم کیا جارہا ہے، علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد — ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو — کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

مولانا بدر الحسن قاسمی (کویت)
(معتمد تعلیمات، دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد)

ماحول کی آلودگی۔ اسلامی حل

"اسٹاک ہوم" میں ۱۹۷۲ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس نے (ENVI RONMEHT) کا مفہوم یہ متعین کیا تھا کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے گرد وپیش ہو، دوسرے لفظوں میں انسان اس روئے زمین پر جب زندگی گزارتا ہے تو ہوا، پانی مٹی، درخت، سبزہ، پاس پڑوس کے لوگ اور گاڑیوں، کارخانوں اور ہر وہ چیز جس پر انسان اثر انداز ہوتا ہو اور اس کو برتتا ہے یا اس سے اثر پذیر ہوتا ہے اس کو (ENVI RONMEHT) یا ماحولیات کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس طرح ماحولیات کا ایک حصہ تو وہ ہے جو نیچرل کہلاتا ہے جیسے زمین، پہاڑ وادی، ندی اور نالے سمندری یا خشکی میں پائے جانے والے حیوانات، گھاس، اور پودے وغیرہ اور دوسرا حصہ ماحولیات کا وہ ہے جو انسان کے عمل اور اس کے دن رات کی گوناں گوں سرگرمیوں کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے ماحولیات کی پہلی قسم کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے اپنی کاریگری اور کمال قدرت سے ان کو بنایا ہے، زمین کی تخلیق خدا نے کی، آسمان اس نے بنائے، چاند، سورج، پہاڑ اور وادی اس کی قدرت کے کرشمے ہیں اور زمین کو گل بوٹے کی زینت اس نے بخشی، درخت اور پودے اس نے اگائے جس سے زمین گل وگلزار بن گئی اور ہر طرف جنت کا سماں نظر آنے لگا۔

ارشاد باری ہے:

انا کل شئ خلقناہ بقدر (القمر: ۴۹)
بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک طے شدہ اندازہ سے پیدا کیا ہے۔

دوسرے موقع پر ارشاد ہے:

صنع اللّٰہ الذی اتقن کل شئ (النمل: ۸۸)
یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو نہایت پختگی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے:

ھوالذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا وکلو من رزقہ والیہ النشور۔ (الملک: ۱۵)
وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو پست کیا لہٰذا تم اس کی پشت پر چلو پھرو اور اس کی عطا کردہ روزی کو کھاؤ اور (یاد رکھو) کہ پھر اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس کائنات کا نظام نہایت پختگی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے جس میں کہیں خلل نظر نہیں آتا، سورج پابندی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے، رات اور دن کے نظام میں ایسا انضباط رکھا گیا ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہوتا۔ چاند اور ستارے اپنے اپنے مدار میں ایک خاص اور محکم نظام کے تحت حرکت کرتے ہیں، دنیا میں جو ذی روح مخلوق ہیں ان کے توالد وتناسل کا سلسلہ ایک مخصوص نظام کے تحت انجام پاتا ہے، حیات وموت کا سلسلہ بھی اپنے معمول کے مطابق جاری ہے۔

جہاں تک ماحولیات کے دوسرے شعبہ کا تعلق ہے جو انسان کے اس روئے زمین پر بسنے اور روئے زمین پر پائی جانے والی چیزوں کے برتنے سے ظاہر ہوتا ہے اور ماحولیات کا یہی وہ جز ہے جس کے بارے میں اس وقت دنیا کو سخت خطرہ درپیش ہے، اور جس کے بارے میں تشویش کا اظہار مختلف کانفرنسوں اور سمیناروں کا موضوع

بنا ہوا ہے۔ ماضی میں سوویٹ یونین کی راجدھانی ماسکو میں اس موضوع پر ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس کا موضوع تھا مختلف کارخانوں نقل وحمل کے وسائل، ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی مختلف قسم کی کیمیکل گیسیں، آئل ٹینکروں کے پھٹنے یا غرق ہوجانے کی صورت میں سطح سمندر پر پھیل جانے والے پٹرول وغیرہ سے روئے زمین کے علاوہ فضا اور سمندری سطح سب انتہائی خطرناک قسم کی آلودگی سے دوچار ہیں، اور ماحول کی آلودگی انسانی زندگی کو اور دوسری ذی روح مخلوقات کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوتی ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے جب کبھی زندگی کا کوئی ایک سرا سلجھانے کی کوشش کی ہے تو دسیوں دوسری الجھنیں ان کے نتیجہ میں انسانی زندگی کے لئے پیدا ہوگئی ہیں، اور مآل کار انسانیت کو سوائے پریشانیوں اور مصیبتوں کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ماحول کی آلودگی سے زیادہ خطرناک صورت حال اخلاقی قدروں کی پامالی اور دنیا کے روحانی ماحول کا زیاں اور اخلاقی انارکی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی آلودگی ہے لیکن اس کی فکر مادیت زدہ عقلوں کو کبھی نہیں ہوسکتی۔ ہم اس موقع پر اسلام کے بیان کردہ ان اصولوں کی طرف ہلکا سا اشارہ کرتے ہیں جو روحانی بالیدگی کے ساتھ ماحول کو آلودگی سے بچانے کا بھی بہترین وسیلہ ہیں۔

ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے کے بارے میں دنیا کو تشویش اب لاحق ہوئی ہے جب کہ اسلام نے اب سے ۱۴ سو سال پہلے ایسے اصول انسانیت کو سکھائے ہیں جن کی پابندی سے آدمی نہ صرف اپنے جسم کی نظافت اور صحت برقرار رکھ سکتا ہے بلکہ ماحول کی آدلودگی پر بھی قابو پاسکتا ہے۔

موجودہ دنیا کو کہیں قحط کا سامنا ہے تو کہیں قابل کاشت زمین ریگستان کی شکل اختیار کررہی ہیں تو کہیں استعمال میں آنے والی اشیا کی قلت درپیش ہے اسلام نے اس کے تدارک کے لئے بنیادی اصول چیزوں کو استعمال کرنے اور برتنے میں

"اعتدال" کی تعلیم دی ہے، ارشاد باری ہے:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لایحب المسرفین (الاعراف: ۳۱)	تم کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا ہے:

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ (الاسراء: ۲۹)	نہ تو تم اپنے ہاتھ کو گلے سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ اسے بالکل پھیلا دو اور پھر پشیمانی اور حسرت کرنے کے لئے بیٹھ جاؤ۔

قدرت نے انسان کو جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کو ضائع کرنا انتہائی ناقدری اور ظلم کی بات ہے، اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔

قدرتی وسائل پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے اسلام نے ان کی حفاظت کی تلقین کی ہے، بے ضرورت درخت کاٹنا، جانوروں کو خواہ مخواہ کی نشانہ بازی کے لئے استعمال کرنا اسی طرح وہ چیزیں جو کسی ذی روح کے کام آسکتی ہوں ان کو ضائع کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

موجودہ زمانہ میں بجلی، طبعی گیس، پٹرول، شمسی توانائی کے قبیل کی چیزیں بھی ان طبعی وسائل کا حصہ بن گئی ہیں جن کی نگہداشت اسلامی نقطہ نظر سے ضروری قرار پائیگی اور ان کا ناروا استعمال درست نہ ہوگا جس طرح پانی کے استعمال میں اسراف ممنوع ہے اسی طرح بجلی اور توانائی کے استعمال میں بھی۔

جہاں تک دنیا کے غذائی بحران کو حل کرنے کا معاملہ ہے تو اس بارے میں اسلام اس مفروضہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ انسانی آبادی میں اضافہ کسی واقعی غذائی بحران کا لازمی سبب ہے اس لئے یہ تصور کرنا کہ نسل انسانی میں کمی کرنا اس بحران کا حل ہے۔

ایک غلط تصور ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے ہر چیز اندازے کے مطابق پیدا کی ہے اگر قدرتی وسائل کا صحیح استعمال کیا جائے اور آبادی کی کثرت کے ساتھ نئے نئے امکانات بھی بحر و بر میں تلاش کئے جائیں تو قدرتی خزانے کبھی خالی نہیں ہو سکتے اور نسل انسانی میں متوقع اضافہ کے بقدر وسائل بھی زمین کے ذخائر اور قدرتی ذرائع سے فراہم کئے جا سکتے ہیں۔

ماحول کو آلودگی سے بچانے کے لئے اسلام نے یوں تو بہت سی تعلیمات دی ہیں ان میں سے بعض اصولی ہدایتیں ایسی ہیں جن کو ہر موقع پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها۔ ذلکم خیر لکم ان کنتم مومنین۔ (الاعراف: ۸۰)	زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ مچاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھنے والو ہو۔

فساد کی شکل مختلف ہو سکتی ہے ہر وہ عمل جو انسان کی اخلاقی خرابی یا جسمانی گزند کا باعث ہو وہ فساد کے ذیل میں آتا ہے جس سے بچنے کی اسلام نے تلقین کی ہے:

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ

لا یبولن احدکم فی الماء الراکد۔ (۱)	تم میں کا کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔

طبرانی کی روایت میں بہتے ہوئے پانی میں بھی پیشاب کی ممانعت کی گئی ہے (۲)

اسی طرح حضور کا ارشاد مبارک ہے:

---

(۱) رواہ البخاری۔ ۱/۳۷

اتقوا الملاعن الثلاث: البراز فی الماء و فی الظلل و فی طریق الناس (۱)

قابل نفرت و لعنت تین چیزوں سے بچو، یعنی پانی میں یا سایہ میں یا لوگوں کے چلنے کے راستہ میں قضائے حاجت سے بچو۔

کیونکہ اس سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں ماحول کو آلودگی سے بچانے کے لئے شجرکاری اور اس طرح کے بعض دوسرے وسائل جو اختیار کئے جاتے ہیں اسلام نے ان کی نشاندہی بہت پہلے کر دی تھی اسلام نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کی ترغیب دی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

من احیی ارضا میتۃ فھی لہ

جو شخص کسی مردار اور بنجر زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے۔

اسی طرح حضور نے پودے لگانے کی تلقین کی ہے، جانوروں کے پالنے کے لئے چراگاہیں تیار کرنے کی بھی ترغیب دی ہے اور ان کے حقوق بھی متعین کئے ہیں پودے لگانے کے سلسلہ میں ارشاد نبوی ہے کہ

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاء کل منہ طیر او انسان الا کان صدقہ۔ (۲)

کوئی مسلمان جب پودا لگاتا ہے یا کھیتی آباد کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ کھاتا ہے یا کسی انسان کو فائدہ پہنچتا ہے تو وہ اس کے حق میں صدقہ لکھا جاتا ہے۔

حضور نے ہر ذی روح کی قدر و قیمت بحال کی ہے اور لوگوں کو اس کی تلقین کی ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔

---

(۱) ابن ماجہ ۱ / ۱۳۸

(۲) رواہ البخاری و مسلم ۱ / ۳۳۲، ۲ / ۱۶

حفظانِ صحت اور وباؤں کو روکنے کے لئے بھی اسلام نے خصوصی ہدایات دی ہیں تاکہ انسانی زندگی کا ماحول پاک اور صحت بخش رہے اور مہلک جراثیم انسانوں کے لئے ضرر رساں ثابت نہ ہو سکے، اور ہر طرح کی آلودگی کا خاتمہ کیا جا سکے۔

ماحول کی آلودگی سے ہی وابستہ ایک بڑا مسئلہ "ٹریفک پرابلم" بھی ہے موجودہ تمدن کی ترقی کے ساتھ نقل و حمل کے وسائل کی کثرت نے جہاں سہولتیں پیدا کی ہیں، وہیں ٹریفک کا سنگین مسئلہ بھی لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے زیر انتظام آسٹریا کی راجدھانی ویانا میں ۱۹۶۸ء میں ٹریفک کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پہلی اہم کانفرنس ہوئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ٹریفک حادثات میں کمی، سڑکوں کے استعمال کے اصول اور مختلف ملکوں کے مابین کاروں اور گاڑیوں وغیرہ کی آمد و رفت کے اصول پر غور و خوض کیا جائے اور تمام ملکوں کے لئے یکساں ٹریفک سگنل وغیرہ وضع کئے جائیں اور اس بارے میں عالمی طور پر ایک معاہدہ طے پا جائے۔

ظاہر ہے کہ نقل و حمل کے وسائل، ٹرینیں، کاریں، ہوائی جہاز وغیرہ سے خارج ہونے والی کثافت بھی ماحول کو متاثر کرتی ہے اس لئے یہ پہلو بھی ہمیشہ سے قابل غور رہا ہے تاکہ انسانیت سکھ اور چین حاصل کر سکے اور ان خطرات کو روکا جا سکے جو اس کی جان یا صحت کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلام ایک کامل اور ہمہ جہت دین ہے، ٹریفک سے متعلق بنیادی عناصر تین ہی ہو سکتے ہیں سواری، راستہ، اور ان کو برتنے والا انسانی وجود۔

اسلام نے اس بارے میں بھی ایسی قیمتی ہدایتیں دی ہیں جو ان مشکلات سے نجات دلاتی ہیں جن سے اس وقت دنیا دوچار ہے۔

چنانچہ اگر ان اصولوں کی پابندی کی جائے تو ٹریفک حادثات میں بھی کمی کی جا سکتی ہے اور ماحول کو آلودگی سے بھی بچایا جا سکتا ہے اسی طرح سڑکوں پر ایسا منظر بھی

پیدا نہیں ہوسکتا جو عام طور پر ٹریفک کی کثرت سے نظر آتا ہے۔

اسلام نے انسان کو چلنے کے آداب بھی سکھلائے ہیں قرآن کریم میں لقمان حکیم کی نصیحتوں کے ضمن میں یہ ہدایت بھی آئی ہے:

واقصد فی مشیک — تم میانہ روی کی چال اختیار کرو۔

اسی طرح فرمایا گیا ہے:

واغضض من صوتک (لقمان ۱۹) تم اپنی آواز کو بھی پست رکھا کرو۔

ان دونوں آیتوں سے جہاں اور دوسری باتیں سمجھ میں آتی ہیں وہیں یہ حقیقت بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ اسلامی اخلاقیات کی پابندی کا تقاضا یہ ہے کہ نہ تو آدمی کار وغیرہ اتنی تیز رفتاری سے چلائے جو مہلک ہو یا جس سے خود اس کو یا کسی دوسرے کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو اور جس طرح بے ضرورت چیخنا اور چلانا اسلامی آداب کے منافی ہے۔ اسی طرح گاڑی کے ہارن کا ایسا استعمال جو بے ضرورت اور دوسروں کے لئے تکلیف دہ اور ناگوار ہو وہ بھی درست نہ ہوگا۔

اس ضمن میں اس آیت کو بھی ذکر کیا جاسکتا ہے:

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن	اور تم زمین میں اکڑ کر مت چلا کرو بیشک نہ
تخرق الارض ولن تبلغ الجبال	تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنی اس اکڑ کے
طولا۔ (بنی اسرائیل : ۳۷)	نتیجہ میں پہاڑ کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔

ایک آیت میں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے کہ

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ (البقرہ: ۱۹۵) اور تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالا کرو۔

"لا ضرر و لا ضرار" نہ کسی کو تکلیف دو اور نہ خود تکلیف میں مبتلا ہو یہ تو اسلام کا عام اصول ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر راستہ میں پڑی ہوئی تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کو ایمان کا ایک جزء قرار دیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

الایمان بضع وستون شعبة ادناها اماطة الاذی عن الطریق۔ (۱)

ایمان کے ساٹھ سے زائد شعبے ہیں ان میں کم تر چیز راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور بلیغ ارشاد کے عموم میں وہ ساری ہی چیزیں آجاتی ہیں جو ٹریفک کی مشکلات پیدا کرتی ہیں ان کو دور کرنا اور دوسروں کے لئے راحت کے اسباب اختیار کرنا تقاضائے ایمان ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تلقین فرمائی ہے کہ راستہ پر سایہ دار درخت کے نیچے کوئی غلاظت نہ ڈالی جائے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ماحول کی آلودگی سے امت کو لاحق ہونے والی تکلیف گوارا نہ تھی اس کے علاوہ آپؐ نے سڑک کا حق یہ بھی قرار دیا ہے کہ آدمی اپنی نظریں نیچی رکھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام صرف جسمانی راحت ہی نہیں لوگوں کو نفسیاتی امان بھی فراہم کرتا ہے کہ راہ گزرتے ہوئے کوئی مرد یا عورت دوسرے کو اپنی نگاہ سے بھی نفسیاتی تکلیف نہ پہنچائے۔

موجودہ زمانہ میں اگر ہم قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں انسانی زندگی کا جائزہ لیں تو درج ذیل امور میں ہمیں صحیح راستہ معلوم ہوتا ہے اور ہم پر طبیعی اور انسانی ماحول کی سلامتی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

(۱) بجلی، پانی، اور خدا کی عطا کردہ اس طرح کی دوسری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اسراف و تبذیر سے بچ کر یہ ثبوت دینا کہ مسلمان بحیثیت قوم اعتدال و توازن کے حامل ہیں۔

---

(۱) بخاری۔ ۶/۱

(۲) ٹریفک کے اصولوں میں ان باتوں سے بچنے کا التزام جن سے ناحق کسی شخص کی جان جاتی ہو یا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا لازم آتا ہو بلکہ ان باتوں سے بھی جن سے کسی کو نفسیاتی الجھن لاحق ہوتی ہو اور ذہنی طور پر اذیت پہنچتی ہو۔

(۳) پانی، ہوا، اور گرد و پیش کی زمین کی صفائی اور طہارت کا خیال رکھنا جس سے طبعی ماحول آلودگی سے محفوظ رہے۔

(۴) افتادہ زمینوں کی آباد کاری، اور پھولوں اور پودوں کے لگانے کا اہتمام۔

(۵) پڑوسی اور قرابتداروں کی دیکھ بھال، اور ان کی ضرورتوں کا لحاظ رکھنا کیونکہ خدا نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے

(۶) بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال اور ان میں اچھے عادات واطوار پیدا کرنے کی کوشش جس سے وہ اپنی ذات کو ٹھیک رکھنے کے ساتھ ماحول کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک رکھنے میں مدد دے سکیں۔

(۷) معاشرہ میں زندگی کی قیمت کا شعور پیدا کرنے اور ہر شخص کو اپنا گھریلو اور گرد و پیش کا ماحول درست رکھنے کی تلقین کرنا۔

(۸) خصال فطرت کو اختیار کرنے پر خود بھی کاربند ہونا اور دوسروں کے لئے بھی اس کے فوائد سمجھانا تاکہ زندگی کا ماحول پاکیزہ رہ سکے، اس ذیل میں دانتوں کی صفائی، ناخن تراشنے کا اہتمام اور اس طرح کی وہ تمام باتیں آجاتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے تعلیم دی ہے۔

(۹) نسل انسانی میں اضافہ کے ساتھ پیداوار کے وسائل میں اضافہ کی کوشش کرتے رہنا تاکہ معاشرہ فقر و فاقہ کی صورت حال سے دوچار نہ ہو۔

(۱۰) ملک و قوم کو ان عوامل سے بچانے کی کوشش کرنا جو اس کی تباہی کا باعث بن سکتے ہوں خواہ یہ طبعی وسائل کے غلط استعمال کرنے کے نتیجہ میں ہو یا انسانوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات اور فتنوں کے نتیجہ میں۔

(۱۱) قرآن پاک کے بیان کردہ ان حقائق کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا:

الف: زمین کو ہم نے پھیلایا ہے اور اس میں ستون قائم کر دیے ہیں اور اسمیں ہر طرح کی مفید چیزیں اگائی ہیں۔ (ق: ۷)

ب: جانوروں کو تمہارے لئے خدا نے پیدا کیا ہے اس میں تمہارے لئے (اس سے حاصل ہونے والے اون کے ذریعہ) گرمی کے سامان اور دوسرے فوائد ہیں اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو۔ (النحل: ۵)

(ج) اسی نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت (مچھلیاں) کھا سکو، اور اس سے وہ زیور (موتی وغیرہ) نکال سکو جسے تم پہنتے ہو (النحل: ۱۴)

(د) ہم نے بنی آدم کو شرف و عزت دی ہے اور اسے خشکی اور سمندر میں چلنے پھرنے کی طاقت دی ہے اور اسے پاکیزہ چیزوں سے روزی دی ہے اور اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں پر اسے فضیلت عطا کی ہے (بنی اسرائیل: ۷۰)

(ھ) ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا ہے (الانبیاء: ۳۰)

(و) ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے (القمر: ۴۹)

(ز) وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو پست کیا ہے تو اب تم اس کی پشت پر چلو اور خدا کے عطا کردہ رزق کو کھاؤ اور پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (الملک: ۱۵)

ماحول کی آلودگی انسانی زندگی کے لئے تباہی کا ذریعہ ہے خواہ یہ آلودگی

(۱) ظاہری غلاظت کا نتیجہ ہو اور صفائی کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہو

یا (۲) وبائی امراض کے پھیلنے، اور حفظان صحت کے اصولوں کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے سامنے آئی ہو

یا (۳) زہریلی گیس، ایٹمی تابکاری اور دوسری بوساخت مہلک اشیاء کے نتیجہ میں رونما ہوئی ہو۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے اس آلودگی کا دور کیا جانا ضروری ہے تاکہ انسانی زندگی صحت بخش ماحول میں پروان چڑھ سکے۔

خلاصہ یہ کہ ماحول کی صفائی اور آلودگی، آبادی کی کثرت اور کمی، مہلک اشیاء کی زیادتی وغیرہ کے بارے میں موجودہ زمانہ میں جو تحقیقات سامنے آئی ہیں اور ان کے تدارک کی جو صورتیں جدید علوم کی روشنی میں متعین کی گئی ہیں ان کے بارے میں اسلام صدیوں پہلے نہایت جامع ہدایات دے چکا ہے اور آج بھی پاکیزہ ماحول قائم کرنے کے لئے ان اسلامی تعلیمات ہی کو اولیت اور جامعیت حاصل ہے۔

فقہی مذاکرہ

۷ ر ۹ ر ۱۹۹۲ء

خالد سیف اللہ رحمانی
حواشی: مولوی شکیل احمد رحمانی، بسیلی
نقل و ترتیب: مولوی سید عبید اللہ سبیلی

ایک حدیث کی تحقیق

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے تعلق سے حال ہی میں ایک مقرر نے منجملہ دوسری باتوں کے فرمایا کہ حضورؐ ایک لکڑی کا پیالا اپنی پلنگ کے نیچے رکھتے تھے تاکہ رات کے وقت اس میں پیشاب کرسکیں، ایک وقت ایسا ہوا کہ خادمہ کو سخت پیاس ہوئی اور اس نے پیالے کا پیشاب پی لیا، آپ کے دریافت کرنے پر اس نے اقرار کیا جس پر حضورؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ صحابہ کرام حضورؐ کے وضو کے قطرات کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے اور لے کر پی لیتے تھے۔ ایک جنگ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے خون جاری ہوا تو صحابہ کرامؓ اسے لے کر پی گئے اور اسے اپنے سینوں پر مل لیا، اس قسم کی احادیث کئی مرتبہ سننے میں آئی لیکن مذکورہ بالا بات پہلی بار سننے میں آئی، ازراہِ کرم مذکورہ بالا بیان کی صحت کے تعلق سے مفصل بیان دیں۔

جواب: حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ اور حکیمہ بنت امیمہؓ سے یہ روایت طبرانی میں نقل کی گئی ہے اور مجمع الزوائد میں یہ دونوں حدیثیں نقل کی گئی ہیں[1] اور لکھا یہ گیا ہے کہ

(1) عن عبد اللہ بن الزبیر انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یحتجم

سند کے اعتبار سے حدیث صحیح ہے بلکہ یہ بات بھی آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان خاتون کے بارے میں یہ سنا اور آپ کو اطلاع ہوئی کہ پیشاب پی گئی تھیں تو ان کے بارے میں دعائیہ کلمات کہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضورؐ نے پیشاب پینے کی ترغیب فرمائی ہو، یا اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہو، مقصود یہ تھا کہ بعض دفعہ آدمی پر غایتِ محبت میں جذب کی کیفیت ہوتی ہے، اس میں کوئی فعل کر گذرتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت درجہ محبت کی وجہ سے چونکہ یہ بات ان سے سرزد ہوئی تھی اس لئے آنحضورؐ نے کوئی مؤاخذہ نہیں فرمایا، یہ بحث ہمارے فقہاء کے یہاں آتی ہے کہ پیشاب اور پاخانے پیغمبروں کے پاک ہیں، یا ناپاک؟ حدیث کی شروح اور فقہ کی کتابوں میں اس پر بحث کی گئی ہے اور اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ انبیاء کے فضلے پاک ہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے اس کو شمار کیا ہے، بہر حال وہ پاک رہا ہو یا ناپاک اب اس سے کوئی مسئلہ متعلق نہیں رہا

بقیہ گذشتہ صفحہ: فلما فرغ قال یا عبد اللہ اذهب بهذا الدم ماهريقه حيث لا يراه أحد فلما برزت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمدت الى الدم فحسوته فلما رجعت الى النبي صلى الله عليه وسلم قال ما صنعت يا عبد الله قال جعلته فى مكان ظننت انه خاف عن الناس قال فلعلك شربته قال نعم قال ومن امرك ان تشرب الدم ويل لك من الناس وويل للناس منك ۔ (مجمع الزوائد ۴/۲۷۰)

وعن حكيمة بنت اسيمة عن امها قالت كان للنبي صلى الله عليه وسلم قدح من عيدان يبول فيه ويضعه تحت سريره فقام فطلبه فلم يجده فسأل فقال اين القدح، قالوا اشربته سرة خادم ام سلمة التى قدمت معها من ارض الحبشة فقال لنبي صلى الله عليه وسلم لقد احتظرت من النار بحظار ۔ (رواه الطبرانی، مجمع الزوائد ۴/۲۷۱)

ہے لیکن یہ حدیث سند صحیح سے منقول ہے اور جذب کی کیفیت کا عمل ہے جو حجت و دلیل نہیں ہوتا۔

ایک خاص اسکیم کا شرعی حکم

سوال: ایک اسکیم کے تحت شریک ہونا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے دو ہزار روپیہ ادا کرنے کے بعد ہر ماہ پانچ سو روپیہ ادا کرنا ہے، اس صورت میں قرعہ اندازی ہوگی، جب بھی میرا نام نکلے، ایک مکان میرے حوالے کیا جائے گا، جب کہ اس صورت میں مکمل رقم ادا نہیں ہوئی ــــ دوسری شکل اسی طرح کی یہ ہے کہ ہر ماہ پانچ سو روپئے باندھ باندھ کر مکمل رقم ادا کرنے کے بعد مکان حاصل کرنا چاہتا ہوں، یہ صورت بھی جائز ہے کہ نہیں؟ آج کل یہ بات عام ہوتی جا رہی ہے، صحیح رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواب: یہ جو دوسری شکل ہے کہ کوئی مکان آپ نے خرید کیا اور بالاقساط دس ماہ یا دو سال تک آپ اس کی قیمت ادا کرتے رہے، اس کے جائز ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے بالکل جائز ہے اس کو "بیع بالتقسیط" کہتے ہیں، فقہاء نے اسکی اجازت دی ہے۔

پہلی صورت مثلاً فرض کیجئے کہ پچاس ممبر ہیں سب نے دو دو ہزار روپئے دیئے اور اس کے بعد یہ بات طئے پائی کہ ہر ماہ پانچ سو روپئے دیئے جائیں، ہر ماہ قرعہ اندازی ہو اور جس آدمی کا نام نکلے وہ مکان کا مالک ہو جائے، جہاں تک میری رائے ہے کہ اس کو بھی جائز ہونا چاہیئے، یہ سود نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ سود دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں اضافہ کو کہتے ہیں، یعنی دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ ہو اور ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو مثلاً پچاس ہزار روپے کی چیٹھی تھی، ہم نے دس ہزار روپے کا نقصان گوارا کر کے چالیس ہزار میں چیٹھی

اٹھالی یہ سود ہوگا، یہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ روپئے کا تبادلہ روپئے سے ہو رہا ہے اور ہم جنس کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، یہاں چونکہ روپئے کا تبادلہ مکان سے ہو رہا ہے اس لئے اگر کسی شخص کو مکان زیادہ قیمت پر پڑتا ہے اور کسی کو کم قیمت میں پڑتا ہے، یہ سود نہیں کہلائے گا۔

دوسرا شبہ اس صورت میں قمار اور جوے کا ہوتا ہے، قمار کی تعریف کی ہے فقہار نے "تعلیق الملك علی الخطر"، ملکیت کا خطرے پر معلق ہونا جیسے لوگ لاٹری ٹکٹ خریدتے ہیں ہوسکتا ہے کہ میرا نام نکل جائے تو لاکھوں روپے ہم کو مل جائیں اور اگر لاٹری کے ٹکٹ میں میرا نام نہ نکل پائے تو دس روپے جو ہم نے خرچ کئے ہیں وہ بھی ضائع ہوجائیں، ہم جو دس روپے دیئے ہیں اس کی وجہ سے ہم مالک بنیں گے یا نہیں؟ یہ چیز خطرے میں ہے، یہاں یہ صورت ہے کہ جتنے لوگوں نے پیسے دیئے ہیں مالک تو ان سب کو بننا ہے، ملکیت خطرے میں نہیں ہے، ہاں جس چیز کے ہم مالک بنیں گے اس کی قیمت مبہم ہے کہ ہمیں ڈھائی ہزار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، پانچ ہزار ادا کرنی پڑے گی، یا دس ہزار، کسی کو زیادہ قیمت میں مکان ملے گا اور کسی کو کم قیمت میں، یہ شکل قمار کی نہیں ہے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے یہ دونوں ہی صورتیں جائز ہوں گی، ویسے احتیاطاً جن صاحب کی پرچی ہے وہ دوسرے علمار اور اہلِ افتار سے بھی تحقیق کرلیں۔

مسجد میں پیشاب کا قطرہ نکل آتا ہے

سوال: زید طہارت کے بعد وضو کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے جب سجدے میں جاتا ہے تو اسے یقین ہے کہ ایک آدھ قطرہ پیشاب کا سجدے میں نکل جاتا ہے، ہر طہارت کے بعد یہ مسئلہ درپیش ہے اس صورت میں زید کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں زید استنجا کرنے کے بعد ایک دفعہ سجدے کی صورت

اختیار کرے، پیشاب کے قطرے نکل جائیں تو اس کے بعد وضو کرے اور وضو کرنے کے بعد نماز پڑھے، یہ صورت ایسی نہیں ہے کہ جس میں آدمی کو معذور سمجھا جائے اور ناپاکی کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہو۔

حدیث "فاطمہؓ خواتینِ جنت کی سردار ہیں" کی تحقیق

سوال: یہ جملہ کس حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی سردار ہیں یا عورتوں کی سردار ہیں، مطلع فرمائیں اور واضح کریں کہ حضرت خدیجہ جن کی قربانیاں زیادہ ہیں، ان کے مقابلہ میں حضرت فاطمہ کیسے سردار جنت بن سکتی ہے؟۔

جواب: یہ روایت خود بخاری شریف کی جلد اول میں صـ۵۳۲ پر ہے فاطمۃ سیدۃ نساء اهل الجنۃ" مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت نقل کی گئی ہے (۱)، اور انہوں نے لکھا ہے کہ یہ سند کے اعتبار سے بہت قوی ہے اور اس میں جتنے راوی ہیں سب "صحاح" کے ہیں، لہٰذا یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے، رہ گیا یہ شبہ کہ حضرت فاطمہؓ کو یہ مقام کیوں حاصل ہوا جب کہ سیدہ خدیجہؓ کی خدمات اور اسلام کے لئے ان کی قربانی زیادہ تھی؟ تو ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کا درجہ بھی بیان فرمایا کہ تمام عورتوں میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ ہیں لیکن جنت کی عورتوں کا سردار ہونا اور نہ ہونا یہ تو من جانب اللہ ہے، اللہ تعالیٰ جس کے لئے جو عہدہ مقرر کر دیں، جس کے لئے جو اعزاز مقرر کر دیں اس کا اللہ تعالیٰ کو حق ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خدمات کے اعتبار سے اور قربانی ہی کے

---

(۱) عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل ملك من السماء فتاذن ان نسلم علی لم ینزل قبلها فبشرنی ان فاطمۃ سیدۃ نساء اهل الجنۃ هذا حدیث من صحیح الاسناد۔ (المستدرک للحاکم ۱۶۴/۳، فتح الباری ۱۰۵/۷)

اعتبار سے ہو، اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ زمانۂ نبوت میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادی ہوئیں وہ حضرت فاطمہؓ ہی ہیں، انہیں کے ذریعہ آپ کی نسل کا سلسلہ باقی رہا، پھر حضرت فاطمہ کی قربانی بھی دین کے لئے کچھ کم نہیں ہے، وہ وقت کہ جب مکہ مکرمہ میں آنحضورؐ خانہ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے اور اونٹ کی اوجھ لوگوں نے آپؐ کی پشتِ مُبارک پر رکھ دی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا مگر اتنا مجبور تھا کہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اوجھ کو ہٹائیں، لوگ باہم ایکدوسرے سے استہزا کر رہے تھے اس وقت حضرت فاطمہ ہی تھیں کہ تشریف لائیں، انہوں نے حضورؐ کی پشتِ مبارک سے اوجھ ہٹالی اور لوگوں کو برا بھلا کہا، توجو اسلام کی ابتلاء اور آزمائش کا زمانہ ہے اس میں سیدنا فاطمہؓ کی بھی خاص خدمت ہے اور ان کا خاص مقام ہے۔

کعبۃ اللہ پر غلاف کا آغاز اور اسکی شرعی حیثیت

سوال: کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ کب سے شروع ہوا؟

جواب: کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کا سلسلہ اسلام سے پہلے ہی شروع ہوا ہے علامہ سہیلی نے سیرت ابن ہشام کی شرح الروضۃ الانف کے نام سے لکھی ہے اور اس میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ بعض راویوں کا خیال ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا آغاز سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ تعمیر فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پہلی دفعہ غلافِ کعبہ چڑھایا ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا ہے "شاہ یمن" نے، اسی لئے خود حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمن کے شاہ تبع حمیری کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس کو برا نہ کہو اس لئے کہ اس نے سب سے پہلے غلاف چڑھایا ہے (۱) ممکن ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے غلاف چڑھایا ہو،

(حوالہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

بعد میں یہ سلسلہ متروک ہو گیا ہو، پھر شاہ یمن نے غلاف چڑھائی ہو، اس لئے حضورؐ نے ان کی طرف غلاف چڑھانے کی نسبت کی ہو، زمانۂ جاہلیت میں بھی خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا اور زمانۂ اسلام میں بھی شروع ہی سے جب سے کعبہ مسلمانوں کے زیر نگیں آیا، غلافِ کعبہ چڑھانے کا سلسلہ جاری ہے، تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

البتہ یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہیئے کہ خانۂ کعبہ کے سوا دوسری عمارتوں پر غلاف چڑھانا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اس لئے قبر وغیرہ پر غلاف کا چڑھانا "بدعت" ہوگا، فقہ کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ قبر کا طواف یا قبر پر غلاف چڑھانا جائز نہیں ہے، اگر کعبۃ اللہ کے علاوہ اور کوئی جگہ غلاف چڑھانے کی ہوتی تو سب سے زیادہ اس کا استحقاق مسجد نبوی کو ہوتا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالہا سال نمازیں ادا فرمائیں لیکن نہ حضورؐ نے غلاف چڑھایا اور نہ حضورؐ کے بعد اس پر غلاف چڑھایا گیا اسلئے کعبۃ اللہ کے غلاف کو قبروں پر چادر چڑھانے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

اہلِ سنت والجماعت اور جماعتِ اہلحدیث؟

سوال: اہل سنت والجماعت کے چار مشہور فرقوں کے علاوہ بقیہ فرقے گمراہ ہیں، جب کہ دیگر فرقے حق بجانب دعویدار ہیں، کیا اہل حدیث بھی اہل سنت میں داخل ہیں؟

حوالہ گذشتہ صفحہ: (۱) قال ابن اسحاق وتبان اسعد ابوکرب الذی قدم المدینۃ و ساق الحبرین من یهود المدینۃ الی الیمن وعمر البیت الحرام وکساہ وکان ملکہ قبل ملک ربیعۃ بن نصر (الروض الانف ۱/۳۴۔ معجم البلدان ۷/۲۵۹)

جواب: میں پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ ایک تو اہل سنت والجماعت کے چار فرقے نہیں ہیں یہ چار مکاتب فقہ ہیں، مختلف علماء نے اجتہاد کیا، کتاب وسنت سے روشنی حاصل کی، کچھ لوگوں نے ایک فقیہ کی رائے اختیار کیا، کچھ لوگوں نے کسی اور فقیہ کی رائے پر اعتماد کیا، یہ چار مکتبِ فکر ہیں فرقے نہیں ہیں' اور نہ خدا نخواستہ ایک دوسرے کو باطل سمجھتے ہیں، ان کے لئے "فرقے" کی اصطلاح صحیح نہیں ہے۔

جہاں تک اہلِ حدیث بھائیوں کی بات ہے تو وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے میں ہیں اور بنیادی طور پر اہلِ حدیث حضرات سے ہمارا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے' توحید کے معاملے میں اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے حجت ہونے کے بارے میں سب لوگ متفق ہیں، عقائد میں عموماً اتفاق ہے' چند جزوی مسائل میں اختلاف ہے ان میں اکثر نماز سے اور بعض طلاق وغیرہ سے متعلق ہیں اور ان مسائل میں سلف صالحین کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہے۔

البتہ ایک بات ضرور ہے کہ ایسے مسائل میں کسی رائے سے اختلاف کرنا تو بری بات نہیں ہے لیکن اختلاف رائے میں ان پر طعن کرنا یا ان کے اخلاص کو مجروح کرنا ہم صحیح نہیں سمجھتے ہیں، ان حضرات کی طرف سے بعض دفعہ ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جس سے حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم تک کی طرف بدعت کی نسبت ہو جاتی ہے' اس کو ہم بڑی جسارت سمجھتے ہیں اس لئے کہ جس پیغمبر نے بدعت کی مذمت کی ہے اسی پیغمبرؐ نے اپنی سنت کے ساتھ "سنت الخلفاء راشدین" کے اختیار کرنے کی ہدایت بھی دی ہے' تو اس کی سنت سے یکسر انحراف وانکار دراصل خود سنتِ رسول کی مقرر کی ہوئی راہ سے گریز وانحراف ہے۔

جزوی مسائل میں اختلاف رائے عہدِ صحابہ سے جاری وساری ہے' صحابہ میں بعض لوگ رفعِ یدین کئی بار کرتے تھے، بعض ایک ہی دفعہ کرتے تھے بعض امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے بعض سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں تھے، بعض

عیدین میں تکبیراتِ زائد گیارہ بار کہتے تھے بعض چھ دفعہ کہتے تھے، بعضوں کی تعداد اس سے مختلف ہے، بعض وہ تشہد پڑھتے تھے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، بعض وہ تشہد پڑھتے تھے جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے اور بعض وہ تشہد پڑھتے تھے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے، یہ اختلاف کبھی آپس میں نزاع کا سبب نہیں بنا اور لوگوں نے کبھی اس کو ایسا اساسی مسئلہ نہیں بنایا کہ اس کی دعوت دی جانے لگے، ہمارے بعض اہلِ حدیث بھائی نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی طرح قرأتِ فاتحہ خلف الامام، رفعِ یدین، آمین بالجہر وغیرہ جزوی مسائل کو بھی ایسا اساسی مسئلہ بنا لیا ہے کہ باضابطہ اس کی دعوت دیتے ہیں اس کو ہم صحیح نہیں سمجھتے، یہ دراصل نسبتہً کم اہم مسائل کو زیادہ اہمیت دینا ہے اور دین میں جن احکام کو اہمیت دی گئی ہو اس میں اضافہ و غلو بھی بجائے خود ایک طرح کی بدعت ہے۔

حجرِ اسود کی تقبیل کیا عقیدہ سے متعلق ہے؟

سوال: حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے، یہ عمل اعتقادی ہے یا تعظیمی؟۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول آپ نے سنا ہوگا کہ جب آپ حجرِ اسود کو بوسہ دینے لگے تو فرمایا کہ اے پتھر مجھے معلوم ہے کہ تمہارے اندر نفع و نقصان کی کوئی صلاحیت نہیں ہے لیکن میں تم کو اس لئے بوسہ دیتا ہوں کہ ہمارے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو بوسہ دیا ہے (۱) یہ حجرِ اسود کے بارے میں اسلام کے

---

(۱) عن عمر انه جاء الى الحجر الاسود فقبله فقال انى اعلم انك حجر لاتضر ولاتنفع ولولا انى رايت النبى صلى الله عليه وسلم يقبلك ما قبلتك تكلم الشارحون فى مراد عمر بهذا الكلام فقال محمد بن جرير الطبرى انما قال ذلك لأن الناس كانوا حديثى عهد بعبادة الاصنام فخشى عمر ان يظن الجهال بان استلام الحجر هو

تصور کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے، اگر حضور نے ایک خاک کو بوسہ دیا ہوتا تو ہم اسے بھی بوسہ دیا کرتے اور اگر آپؐ نے حجرِ اسود کو بوسہ نہ دیا ہوتا تو ہم بھی نہیں دیتے، بس رسول اللہ کی سنت کی اتباع مقصود ہے، حدیث میں البتہ اتنی بات آئی ہے کہ حجرِ اسود جنت سے اترا ہے، یہ سفید تھا، یہ لوگوں کے گناہوں کو جذب کرتے کرتے سیاہ ہوگیا ہے، غرض حجرِ اسود سے مسلمانوں کا کوئی اعتقادی رشتہ نہیں ہے اور نہ وہ اس کو نافع وضار سمجھتے ہیں محض اتباعِ سنت ملحوظ ہے۔

سنتِ فجر کی قضا اور اس کا وقت

سوال: کیا نمازِ فجر کی سنت کی بھی قضاء ہوتی ہے؟ اور مسجد میں فجر کی سنت جماعت سے کتنی دور ادا کرنی چاہیے جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو؟

جواب: یوں تو جتنی سنتیں ہیں اصولی طور پر ان کی قضا نہیں ہے (۱) لیکن تمام سنن موکدہ میں چونکہ سنتِ فجر کی خاص اہمیت ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی قضاء

(بقیہ گذشتہ صفحہ) مثل ماکانت العرب تفعله فاراد عمران يعلم ان استلامه لايقصد به الاتعظيم الله عزوجل وانه لاينبغى ان يعبد الامن يملك الضرر والنفع وهوالله جل جلاله. (عمدة القاری ۴/۱۶۵)

(۱) السنة اذا فاتت عن وقتها لاتقضى سواء فاتت وحدها اومع الفريضة سوى ركعتى الفجر اذا فاتتا مع الفرض لحديث ليلة التعريس ولان سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم عبارة عن طريقته وذلك بالفعل فى وقت خاص على هيئة مخصوصة واما ركعتا الفجر اذا فاتتا مع الفرض فقد فعلهما النبى صلى الله عليه وسلم مع الفرض ليلة التعريس فنحن نفعل ذلك لنكون على طريقته.

(بدائع الصنائع ۱/۲۸۷)

کے بارے میں لکھا ہے کہ قضا کی جا سکتی ہے لیکن کب قضا کی جائے، اس میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنت پہلے نہیں پڑھ سکے تو فجر کی فرض نماز کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی دو رکعت سنت پڑھ لی، اور ایک روایت حضرت امِ سلمہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوعِ آفتاب کا انتظار کیا اور اس کے بعد فجر کے پہلے کی فوت شدہ سنت ادا فرمائی چونکہ فجر کے بعد حضورؐ سے کوئی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے اسی لئے حنفیہ نے اس مسئلہ میں حضرت امِ سلمہؓ والی روایت کو لیا ہے کہ اگر کوئی فجر کی سنت ادا کرنا چاہے تو وقتِ مکروہ گذر جانے دے اس کے بعد دو رکعت سنت ادا کرے، یہ بات حضورؐ کے عام معمول سے مطابقت رکھتی ہے، رہ گئی سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو ممکن ہے کہ وہ حضورؐ کی خصوصیت ہو۔

جہاں تک یہ بات ہے کہ فجر کی سنت جماعت سے کتنی دور ادا کی جائے صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ مسجد سے بالکل باہر ادا کی جائے (۱)، اگر اس میں وقت ہو اور مسجد میں صحن کا حصہ ہو اور اندر نماز ہوتی ہو تو صحن کے حصے میں باہر ادا کرلی جائے لیکن اگر کوئی ایسی جگہ نہ ہو تو آخری درجہ یہ ہے کہ جہاں پر نماز ہو رہی ہو اسی جگہ سے پیچھے کی طرف ہٹ کر سنت ادا کی جائے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں روایت ہے کہ بالکل دروازے پر سنتِ فجر ادا کرتے تھے۔

ظہر سے پہلے کی چھوٹی ہوئی سنت کس طرح ادا کرے؟

سوال: اگر کوئی ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت ادا نہ کرسکا اور فرض نماز میں شریک ہوگیا،

---

(۱) ویکرہ ان یصلی شیئا منہا والناس فی الصلوٰۃ او اخذ المؤذن فی الاقامۃ الا رکعتی الفجر فانہ یصلیہما خارج المسجد وان فاتتہ رکعۃ من الفجر فان خاف ان تفوتہ الفجر ترکہما (بدائع الصنائع ۱/۲۸۶)

تو اس کو یہ چار رکعت سنت فرض کے بعد ادا کرنی چاہیئے یا پہلے فرض کے بعد کی مقررہ سنتیں ادا کر کے ان چار رکعتوں کو بعد میں ادا کرنا چاہیئے؟

جواب: سنت ادا کرنے کے دو طریقے ہیں، پہلے آپ چار رکعت پڑھ لیں پھر دو رکعت پڑھیں یہ بھی درست ہے مگر میرا رجحان ہوتا ہے کہ پہلے دو رکعتیں پڑھ لینی بہتر ہے اس کے بعد پہلے کی چار رکعت سنت ادا کر لی جائے اس لئے کہ ایک سنت تو اپنے وقت سے ہٹ ہی چکی ہے تو جو دوسری سنت ہے وہ تو اپنے وقت پر ادا کر لی جائے۔

مسبوق سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائے یا نہیں؟

سوال: کسی مقتدی کی امام کے پیچھے فرض نماز میں ایک یا دو رکعتیں چھوٹ گئی ہوں تو وہ ان رکعتوں کو کس طرح ادا کرے، یعنی ضم سورہ کن رکعتوں میں کرے؟

جواب: اگر کسی کی پہلی دو رکعت چھوٹ گئی مثلاً ظہر میں دو رکعت اس نے امام کے ساتھ پڑھی تو اب جو بقیہ دو رکعت اس کو ادا کرنی ہے، بنیادی سوال ہے کہ ان دو رکعتوں کو کیا سمجھے؟ اگر ان دو رکعتوں کو پہلی دو رکعت سمجھا جائے تو اس کا تقاضہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی ملائے۔ اور اگر بعد کی دو رکعت سمجھی جائے تو اس کا مطلب ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرے، حنفیہ کی رائے ہے کہ اس صورت میں اس کو سورۂ فاتحہ بھی پڑھنی چاہیئے اور سورہ بھی ملانی چاہیئے (۱) یعنی یہ پہلی دو رکعتیں ہیں، اس لئے کہ حدیث میں چھوٹی ہوئی

---

(۱) ومنها ان يقضي اول صلاته في حق القراءة وآخرها في التشهد حتى لو ادرك ركعة من المغرب قضى ركعتين وقرأ في كل فاتحة وسورة۔ ولو ادرك ركعة من الرباعية فعليه ان يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضي

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

رکعتوں کے متعلق "فاقضوا" کے الفاظ آئے ہیں کہ ان کی قضا کرلو، عربی زبان میں دو لفظ آتا ہے ایک "اتمام" کا اور دوسرا "قضا" کا، کسی چیز کے آخری حصے کے مکمل کرنے کے لئے "اتمام" کا لفظ بولا جاتا ہے، اور کسی چیز کے ابتدائی حصہ کو جو چھوٹ گیا تھا ادا کرنے کے لئے "قضا" کا لفظ بولا جاتا ہے، تو امام ابوحنیفہ کہتے ہیں چونکہ حدیث میں "قضا" کا لفظ آیا ہے، اس لئے "مسبوق" بعد میں جن چھوٹی ہوئی رکعات کو ادا کرتا ہے وہ ابتدائی رکعات کا حکم رکھتی ہے، لہٰذا اس کو سورہ فاتحہ بھی پڑھنی ہوگی اور اس کے ساتھ سورت بھی ملانی پڑے گی۔

جمعہ کی دوسری رکعت میں شریک ہو

سوال: نمازِ جمعہ میں اگر کوئی مقتدی دوسری رکعت کے رکوع کی ادائی کے بعد شریکِ جماعت ہوا تو کیا یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی نمازِ جمعہ ہوگئی یا اسے ظہر کی چار رکعت ادا کرنی ہوگی؟

جواب: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کی رائے ہے کہ دوسری رکعت کے رکوع میں بلکہ اس کے بعد اگر قعدہ یا تشہد میں اس نے امام کو پالیا ہے تو اس نے جمعہ کی نماز کو پالیا (۱) اب اس کو جمعہ ہی کے مطابق نماز ادا کرنی ہوگی، امام محمدؒ بھی امام ابوحنیفہ کے ایک ممتاز شاگرد ہیں، ان کی رائے ہے کہ اس کو ظہر کی نماز

(بقیہ گذشتہ صفحہ) رکعۃ اخریٰ کذلک ولایتشھد وفی الثالثۃ بالخیار۔ ولو ادرک رکعتین قضی رکعتین بقراءۃ ولو ترک فی احدھما فسدت۔ (فتاویٰ عالمگیری ۱/۴۸)

(۱) ومن ادرکھا فی التشھد او فی سجود السھو اتم جمعۃ عند الشیخین وعند محمد لایصیر مدرکا فی روایۃ لعدم وجود المشارکۃ فی رکعۃ وفی روایۃ یصیر مدرکا لوجود المشارکۃ فی بعض الارکان للصلوٰۃ وھو قول زفر۔

(فتاویٰ عالمگیری: ۱/۷۶) (بدائع الصنائع: ۱/۲۶۷) (ردالمحتار ۱/۵۵۰)

ادا کرنی چاہئے لیکن امام محمدؒ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے اس رائے سے رجوع کرلیا تھا تو گویا اب یہ بات حنفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں اگر قعدۂ اخیرہ میں بھی مقتدی امام کو پالیتا ہے تو اس کو جمعہ کی دو رکعت نماز ادا کرنی ہے۔

مسبوق نمازِ عید کس طرح ادا کرے؟

سوال: عیدین کی نمازوں کے موقع پر اگر کوئی پہلی رکعت کے رکوع میں شریک ہو یا دوسری رکعت میں آکر شرکت کرے تو کس طرح نماز ادا کرے؟ براہِ کرم امر بالا کی نسبت احکامِ شرعی سے مطلع فرمائیں۔

جواب: عیدین کی نماز کی خصوصیت چھ تکبیرات زوائد ہیں، پہلی رکعت میں تین تکبیر قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں تین تکبیر رکوع سے پہلے، پس اس سلسلہ میں قدرے وضاحت مناسب ہوگی تاکہ سہولت ہو، پہلی رکعت میں وہ رکوع میں آیا یا رکوع سے ذرا پہلے آیا اور تین تکبیراتِ زوائد نہیں کہہ پایا تو اصول یہ ہے کہ اگر وہ توقع رکھتا ہے کہ تین دفعہ تکبیراتِ زوائد کہہ کر بھی امام کو رکوع میں پالے گا، تب تو جلدی جلدی تین دفعہ تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ تکبیر کہنے میں رکوع بھی چلا جائے گا تو رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں پہلے بغیر ہاتھ اٹھائے صرف زبان سے تین دفعہ اللہ اکبر کہہ دے، اس کے بعد رکوع کی تسبیحات پڑھ لے، اگر رکوع کی تسبیحات پڑھنے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو کوئی حرج نہیں، امام کے ساتھ اٹھ جائے، اس لئے کہ تسبیحات سنت ہیں اور تکبیرات واجب، یہ تو پہلی رکعت کا معاملہ ہوا، اگر دوسری رکعت میں آئے اور رکوع میں پہونچے تو رکوع سے پہلے تکبیراتِ زوائد تو ہوچکی ہوں گی، فقہا کہتے ہیں کہ اب ان کو تکبیراتِ زوائد کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ رکعت انہوں نے یوں ہی پالی، البتہ فوت شدہ ایک رکعت جو ادا کریں گے اس میں قرأت سے

پہلے جو تین تکبیراتِ زوائد کہی جاتی ہیں اسی طرح تکبیرات کہی جائے۔(۱)

سونے کے دانت میں زکوٰۃ

سوال: سونے کے دانت میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: ضرورۃً سونے کا مصنوعی عضو بنانا حدیث سے ثابت ہے، حضرت عرفجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سونے کی ناک بنوائی تھی، سونے کا دانت اس طرح بنا لیا جائے کہ اس کو نکالا اور لگایا نہ جاتا ہو، تو اب اس کی حیثیت جسم انسانی کے ایک حصہ کی ہوگئی اس لئے اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب تک سونا اور چاندی اپنی علاحدہ حیثیت میں رہتا ہے یا کسی ایسی شئ سے منسلک رہتا ہے جو شریعت کی نگاہ میں مال ہے، اس وقت تک اس میں نمو اور افزائش کی گنجائش موجود ہے اور اصل میں نمو پذیر اشیاء اور اموال ہی میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، جب کوئی شئ انسانی جسم کا حصہ بن گئی تو نہ مال باقی رہی اور نہ اب اس پر مالی افزائش کی گنجائش رہی، اس لئے اب اس میں زکوٰۃ واجب قرار دئے جانے کی کوئی

---

(۱) وان ادرك الامام فی الرکوع فان لم یخف فوت الرکوع مع الامام یکبر للافتتاح قائما ویأتی بالزوائد ثم یتابع الامام فی الرکوع وان خاف ان کبر یرفع الامام راسه من الرکوع کبر للافتتاح وکبر للرکوع ورکع ثم اذا رکع یکبر تکبیرات العید فی الرکوع عند ابی حنیفة ومحمد لان للرکوع حکم القیام فیاتی بها ولا یرفع یدیه ثم ان امکنه الجمع بین التکبیرات والتسبیحات جمع بینهما وان لم یمکن الجمع بینهما یاتی بالتکبیرات دون التسبیحات لان التکبیرات واجبة والتسبیحات سنة فان ادرکه فی الرکعة الثانیة کبر للافتتاح وتابع امامه فی الرکعة الثانیة فاذا فرغ الامام من صلاته یقوم الی قضاء ما سبق به۔

(بدائع الصنائع ۱/ ۲۷۸-۲۷۹)

وجہ نہیں۔

بغیر ٹوپی نماز اور نمازیوں کیلئے مساجد میں ٹوپیوں کا وقف

سوال: آج کل لوگوں میں نماز بغیر ٹوپی پہننے کا رواج بڑھتا جارہا ہے اس مقصد سے بعض لوگ چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں رکھتے ہیں تاکہ نمازی ان کو استعمال کرلیا کریں، تو ایسی ٹوپی کا استعمال کیسا ہے، نیز ٹوپیاں دینے اور رکھنے کا حکم کیا ہے؟۔

جواب: ٹوپی پہن کر نماز پڑھی جائے، بلا عذر ننگے سر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تین کپڑوں میں نماز ادا فرماتے اور عمامہ کا استعمال فرماتے تو یہی واجب ہوجاتا اور امت کے لئے دقت ہوجاتی، اس لئے حضورؐ نے امت پر رحم کھاتے ہوئے کبھی صرف ازار یعنی تہبند میں بھی نماز ادا فرمائی ہے لیکن عام حالات میں معمول سر ڈھک کر نماز پڑھنے کا تھا، اس زمانہ میں عمامہ کا اہتمام نہیں رہا تو کم سے کم ٹوپی پہن کر تو نماز پڑھنی چاہیئے۔

ٹوپی رکھوانے سے دو باتیں متعلق ہیں، ایک چٹائی کی ٹوپی رکھوانے کا حکم جو کھجور کی ہوتی ہے، اور دوسرے مطلق ٹوپی کا رکھنا مسجد میں کیسا ہے، جہاں تک کھجور وغیرہ کی ٹوپی کی بات ہے تو عام حالات میں لوگ اسے نہیں پہنتے اگر کہیں شادی میں جانا ہو اور آپ کسی سے کہیں کہ یہ ٹوپی حاضر ہے، آپ اسے استعمال فرمالیجئے تو لوگ اپنے لئے استہزا کی بات سمجھیں گے، کوئی سنجیدہ تقریب کی بات ہو رہی ہو تو لوگ اس میں ایسی ٹوپی پہن کر نہیں جاتے، اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک مبتذل لباس ہے، یہ ایک معمولی اور خفیف لباس سمجھا جاتا ہے،

---

(۱) وتکرہ مکشوف الراس تکاسلا لترک الوقار لا للتذلل والتضرع وان فعلہ استخفافا فالکفر نعوذ باللہ الحفیظ۔ (مراقی الفلاح ۱/۲۴۳۔ منیۃ المصلی ۱/۱۰۵)

تو میں سمجھتا ہوں کہ مناسب نہیں ہے کہ آدمی جس چیز کو اہلِ دنیا کے پاس پہن کر جانے میں ہتک محسوس کرتا ہو اللہ رب العزت کے یہاں جاتے ہوئے ادب کا خیال نہ رکھے، مجھے لگتا ہے کہ اس میں سوئے ادب ہے، اسی لئے قرآن مجید نے کہا کہ: "خذوا زینتکم عند کل مسجد"، گویا ایک حد تک نماز میں اچھے لباس کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز کے لئے آپ اچھا لباس زینتِ تن فرمایا کرتے، جمعہ کے دن تو خاص اہتمام فرماتے، امت کو بھی تاکید کی گئی ہے کہ جمعہ میں بہ حدِ امکان اچھے لباس پہنے جائیں، بہر حال اس ٹوپی میں نماز ادا کرنے میں سوءِ ادب محسوس ہوتا ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

دوسرا مسئلہ ہے کہ ٹوپی مسجد میں رکھنے کا حکم کیا ہے؟ یہ اصل میں عبادت میں تعاون ہے، عبادت میں مدد لینے کی بعض صورتیں جائز ہیں، بعض صورتیں مکروہ ہیں اور بعض صورتیں بہتر نہیں ہیں، بخاری شریف "کتاب الوضو" میں اس پر بحث کی گئی ہے، کبھی کسی شخص سے وضوء کے لئے پانی منگا لیتے ہیں یہ بھی عبادت میں مدد لینا ہے اس کے جائز ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض دفعہ اپنے صحابہ سے پانی طلب فرمایا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ہم وضوء بھی خود نہ کریں، بلا عذر کسی آدمی سے کہیں کہ ہاتھ دھلا دو، کسی سے کہیں کہ تم پانی سے ہاتھ بھیگو کر سر پر پھیر دو، وضو تو ہو جائے گا اس صورت میں بھی، لیکن یہ صورت مکروہ ہے (۱) تیسری صورت یہ ہے کہ ہم خود وضو کر رہے ہوں البتہ کسی سے کہا کہ پانی ڈالتے جاؤ اور ہم وضو کرتے گئے یہ صورت بھی بہتر نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گو اس طرح کی مدد لینا ثابت ہے، لیکن

---

(۱) ان عمر قال انی لا احب ان یعیننی علی وضوئی احد وحاصلہ ان الاستعانۃ فی الوضوء ان کانت بصب الماء او استقائہ او احضارہ فلا کراھۃ بہ اصلا ولو بطلبہ وان کانت بالغسل والمسح فتکرہ بلا عذر۔ (رد المحتار ۱/۹۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ جواز کو بتانے کے لئے اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے خلافِ اَولیٰ اور خلافِ مستحب کام بھی کر لیا کرتے تھے، تو میرا خیال ہے کہ یہ ٹوپی کی اعانت پہلے درجہ کی ہی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ مساجد میں وضو کے لئے پانی کا نظم کر دیا جاتا ہے حالانکہ طہارت خانہ اور وضو خانہ کا نظم حضور کے زمانہ میں مسجدوں میں نہیں ہوتا تھا۔

مہر کی کم سے کم مقدار موجودہ اوزان میں!

سوال: فی زمانہ مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟۔

جواب: مہر کی کم سے کم مقدار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درہم ہے، امام مالکؒ کے یہاں چوتھائی دینار ہے، امام شافعیؒ کے یہاں کوئی مقدار نہیں، جو بھی طے کر لی جائے، دار قطنی کی ایک روایت ہے لا مہر اقل من عشرۃ دراھم حضرت علی کی روایت ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہونا چاہئے، اسی بنا پر امام ابو حنیفہ کے یہاں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے (۱) یہ دس درہم کا وزن موجودہ زمانہ میں دو تولہ اور ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہوتا ہے، درہم چاندی کا ہوتا ہے اور موجودہ زمانے میں چونکہ دس گرام کا تولہ چل گیا ہے جو اصل تولے سے کم ہوتا ہے، اس مروجہ تولہ کے لحاظ سے تین تولہ چھ سو اٹھارہ میلی گرام چاندی موجودہ اوزان کے اعتبار سے مہر کی کم سے کم مقدار ہوتی ہے جو گرام میں تیس گرام چھ سو اٹھارہ میلی گرام چاندی ہوگی۔

---

(۱) واما بیان ادنی المقدار الذی یصلح مہرا فادناہ عشرۃ دراھم او ماقیمتہ عشرۃ دراھم وھذا عندنا وعند الشافعی المہر غیر مقدر یستوی فیہ القلیل والکثیر وتصلح الدانق والحبۃ مہراً۔

(بدائع الصنائع ۲/۲۷۶)

لے پالک لڑکی کے نام زمین خرید کرنا

سوال: زید کو کوئی اولاد نہیں ہے اس نے اپنے برادر نسبتی کی لڑکی کو گود لے لیا ہے جو کہ اب بالغ ہونے کے قریب ہے، حالانکہ زید کے سگے بھائیوں کے کئی لڑکے ہیں لیکن اس نے کسی کو گود لینا پسند نہیں کیا، زید گود لی گئی لڑکی کے نام کافی جائیداد خرید رہا ہے اور یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ اس کے بعد تمام جائیداد اور ملک کی واحد مالک لڑکی ہی ہوگی، کیا یہ شرعاً درست ہے، کیا اس میں زید کے بھانجیوں کا کوئی حق نہیں ہوتا ازراہِ کرم تشریح فرمادیں۔

جواب: دیکھئے اصل میں تو اسلام میں گود لینے کی کوئی اہمیت ہے ہی نہیں، اسلام کا اصول ہے کہ نسب، گوشت پوست کا رشتہ ہے، یہ زبان کا رشتہ نہیں ہے، یہ کوئی خرید و فروخت نہیں ہے، یا نکاح نہیں ہے کہ ایجاب و قبول کے ذریعہ ہوجائے اس لئے گود لینے کی کوئی اہمیت تو ہے نہیں، یوں آدمی کسی کی پرورش کرلے اس کی اجازت ہے اور اس کے اختیارِ تمیزی پر ہے وہ چاہے تو اپنے بھتیجے کی پرورش کرے، اور چاہے تو کسی دوسرے کی پرورش کرے، اس کے لئے شرعاً اس کے اوپر کوئی دباؤ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی بھی پرورش فرمائی جو آپ کے چچازاد بھائی تھے، حضرت زید بن حارثہؓ کی پرورش فرمائی جو آپ کے غلام تھے، حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ کی بھی پرورش فرمائی، مختلف لوگوں کی پرورش کی، اسی طرح جب تک وہ زندہ ہے اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی جائداد جس کے نام چاہے کردے یا وقف کردے، لیکن اسکی موت کے بعد جو جائداد خود اس کے نام سے منسوب ہوگی وہ اس کے شرعی ورثہ بھائی بھتیجے وغیرہ کا حق ہوگا، یہ تو اس مسئلہ کا قانونی پہلو ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایسی تدبیر نہ کرنی چاہئے جس سے ورثہ

"

بالکل محروم ہو جائیں ، اگر آدمی کسی کو جائداد دینا چاہتا ہے' تو ایک تہائی دے دے' اپنے جائز اور حقیقی ورثہ کو محروم کرنے کی تدبیر نہیں کرنی چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے اور اس میں سخت گناہ ہے۔

غیر مسلموں کو قرآنِ مجید دینا

سوال : کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی دعوت مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام ہے' خواہ کوئی شخص کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو' قرآن مجید کا ارشاد ہے لایمسہ الا المطھرون اس کو وہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں' یعنی بغیر طہارت کے قرآن مجید کو نہیں چھو سکتے'، بتائیں جو کہ قرآن مجید کا جو کہ عربی زبان میں لکھا ہوا ہے' غیر مسلموں کو دینا درست ہے یا نہیں؛ تشریح فرمائیں۔

جواب: یہ بات تو واقعی صحیح ہے کہ قرآن کی دعوت مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے' قرآن نے تمام انسانیت کو مخاطب کیا ہے وہ کہتا ہے یاایھا الناس کہیں یابنی آدم سے خطاب کرتا ہے' اس لئے کافروں کے ہاتھ میں بھی دعوتِ دین کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید دینا جائز ہے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بادشاہ کو خطوط لکھے اس میں آیاتِ قرآنی بھی لکھی ہیں' ہرقل کے مکتوب میں یااھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم کی پوری ایک طویل آیت ہے' دراصل جب تک ایک شخص مسلمان نہیں ہوا اس وقت تک وہ شریعت کی تفصیلات کا مکلف نہیں ہے' جب ایک شخص مسلمان ہو گیا اور دائرۂ اسلام میں آگیا تب وہ شرعی احکام کا مکلف ہے' اس لئے ابھی وہ پاکی وناپاکی اور طہارت ونجاست کے احکام کا مخاطب ہی نہیں ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم اور دعوت کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض دفعہ احترام قرآن شریف پر شریعت نے اس مصلحت کو ترجیح دیا ہے' مثلاً فقہا لکھتے ہیں کہ چھوٹے

بچوں کے ہاتھ میں قرآن مجید دیا جائے گا، گو اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ شاید کما حقہ قرآن کا احترام نہ کر پائیں، لیکن چونکہ تعلیمِ قرآن کی مصلحت اس سے متعلق ہے، اس لئے قرآن مجید ان کو دیا جائے گا عالمگیری میں اس کی صراحت موجود ہے (۱) پس غیر مسلم چاہے طہارت کی حالت میں نہ ہو، دعوتِ اسلام کے لئے اس کو قرآن مجید دیا جائے گا (۲) ہاں اگر اندازہ ہو کہ وہ قرآن مجید حاصل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے، اہانت ہی کی نیت سے لینا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں اس کو قرآن حوالہ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

نماز کے درمیان امام صاحب چکرا کر گر جائیں تو مقتدی کیا کرے؟

سوال: اگر دورانِ نماز امام صاحب چکر سے گر جائیں تو کیا مقتدی امام کی جگہ سنبھال لے یا اپنی نماز کو توڑ کر از راہِ ہمدردی امام کی طبی مدد کرے، مسئلہ سے واقف کرائیں۔

جواب: دو الگ الگ مسئلے ہیں، ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ امام صاحب اگر چکرا کر گر پڑیں تو کیا دوسرے کو نائب بنا دیا جائے اور وہ نماز کو پوری کر دے، یہ صورت امام کی نیابت کے عام اصول کے مطابق جائز ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب کو طبی مدد پہونچانا زیادہ ضروری ہے یا نماز پوری کرنا زیادہ ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں ظاہر ہے کہ امام صاحب کی طبی مدد زیادہ ضروری ہے، نماز

(باقی ص ۹۱ پر)

(۱) ولا باس بدفع المصحف الی الصبیان وان کانوا محدثین وھو الصحیح ھکذا فی السراج الوھاج۔ (فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۰)

(۲) اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن مجید کی عظمت ہو اور اس طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ بے ادبی نہیں کرے گا تو اس کو قرآن مجید دینا جائز ہے، شامی میں ہے وجوزہ محمد اذا اغتسل ولا باس بتعلیمہ القرآن والفقہ عسیٰ ان یھتدی۔ (رد المحتار: ۱/۱۶۴)

چودھویں صدی ہجری

کے

مشاہیر علماءِ ہند

مولانا محمد عابد ندوی

مولانا حسین احمد مدنیؒ

۱۲۹۶ ——— ۱۳۷۷

مولانا حسین احمد مدنیؒ بڑے علماء اور صلحاء میں ہیں، والد کا نام سید حبیب اللہ اور وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے ——— ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ کو "اناؤ" کے ایک قصبہ "بانگرمؤ" میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی، صفر ۱۳۰۹ھ میں دار العلوم دیوبند گئے جہاں آپ کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی خصوصی توجہ اور سرپرستی حاصل رہی، حدیث وفقہ کی زیادہ تر کتابیں انہیں سے پڑھی، نیز یہاں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مفتی عزیز الرحمان عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمنؒ عثمانی اور مولانا ذوالفقار علی دیوبندی وغیرہ علماء سے بھی شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ ——— ۱۳۱۶ھ میں فراغت پائی۔ فراغت کے بعد گنگوہ کا رخ کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور پھر اسی سال والدین کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے، مکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت سے کافی استفادہ کیا، نیز وہاں کے مشہور ادیب شیخ آفندی برادہ سے بعض ادبی کتابوں کا درس لیا، ۱۳۱۸ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپ کو گنگوہ بلالیا آپ ان کے یہاں دو سال مقیم رہے، پھر ان کی اجازت سے ۱۳۲۰ھ میں دوبارہ حجاز چلے گئے اور مدینہ منورہ میں تدریسی سلسلہ شروع کر دیا، تہجد کے بعد سے عشاء کے

بعد تک حدیث وتفسیر اور کتبِ فقہ کی تدریس کا مشغلہ تھا، مسجد نبوی میں درس دیتے تھے، ۱۳۳۳ھ تک یہ خدمت انجام دی، اس مدت کے درمیان کبھی ہندوستان بھی آتے اور اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے درس میں شریک ہوتے، پھر مدینہ منورہ لوٹ جاتے، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ۱۳۳۲ھ میں حج و زیارت کیلئے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور ۱۳۳۴ھ میں مدینہ منورہ آئے تو مولانا حسین احمد مدنیؒ انہی کے ساتھ ساتھ رہے۔

مولانا کا یہ سفر جنگِ عظیم اور شریف مکہ کی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کے دوران ہوا تھا۔ ان کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے علاوہ مولانا عزیز گل اور حکیم نصرت حسین وغیرہ بھی تھے۔ والی مکہ نے ان سبھوں کو حجاز میں گرفتار کرکے انگریز حکومت کے حوالہ کر دیا، حکومت نے ان کو مصر پھر مالٹا منتقل کر دیا۔ ۳ سال ۲ ماہ وہاں قید رہے، مولانا مدنیؒ اس مدت میں اپنے استاذ کی بہت زیادہ خدمت اور ان سے استفادہ کرتے رہے، عبادت و مطالعہ میں بھی انہماک رہا اور اسی میں قرآنِ کریم حفظ کیا۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ میں رہا ہو کر ہندوستان واپس آئے۔

یہاں آنے کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بیمار ہوئے جو ان کے لئے مرض موت ثابت ہوا ———— آپ انہی کی خدمت میں مصروف تھے، ان کی خاطر راتوں کو جاگتے، شیخ الہندؒ نے آپ کو مولانا ابوالکلام آزادؒ کے قائم کردہ مدرسہ میں جانے کا حکم دیا، جنہوں نے شیخ الہندؒ سے اپنے کسی مخصوص آدمی کے بھیجنے کی خواہش کی تھی۔ مولانا مدنیؒ نے اپنی خواہش کے خلاف محض تعمیلِ حکم میں سفر کیا مگر ابھی دور نہ گئے تھے کہ شیخ الہندؒ کے وفات کی اطلاع ملی اور واپس آگئے اور تدفین کے بعد کلکتہ کا رخ کیا، اس مدرسہ میں ایک مدت تک مقیم رہے پھر سلہٹ گئے اور وہاں چھ سال تک حدیث شریف کا درس دیتے اور لوگوں کی تربیت کرتے رہے۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے دیوبند سے ڈابھیل چلے جانے کے

بعد آپ کو دار العلوم دیوبند میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا گیا، چنانچہ ۱۳۴۶ھ سے اخیر وقت تک صدارت اور تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے آپ صحیح بخاری اور ترمذی شریف کا درس دیتے تھے۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مولانا پوری طرح شریک ہوئے۔ جنگِ آزادی کی تائید اور جمعیۃ علمار ھند کے تعاون میں بڑی بلند ہمتی کا ثبوت دیا، جس کے وہ خود بھی صدر رہ چکے ہیں، اور اس کے متعدد جلسوں کی صدارت بھی کی ہے۔ برطانوی فوج میں ملازمت کی حرمت کا فتویٰ دیا، نتیجتاً ۱۵ محرم ۱۳۴۰ھ کو قید کر لیے گئے۔ کراچی میں آپ کا مشہور مقدمہ چلا اور دو سال تک قید بامشقت کی سزا کا فیصلہ کیا گیا، دو سال بعد ۱۳۴۲ھ میں رہا کئے گئے ——— ۱۳۵۱ھ میں "سول نافرمانی تحریک" کی قیادت کی اور پھر چھ ماہ کے لئے قید کر دیئے گئے، ۱۳۶۱ھ میں جب ہندوستان کی تحریکِ آزادی نے قوت حاصل کر لی اور کانگریس پارٹی نے انگریزوں سے ہندوستان چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو آپؒ نے اس کی حمایت میں پرجوش تقریریں کیں جس کے نتیجہ میں ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ کو پھر گرفتار کر لئے گئے اور تین سال تک نظر بند رہے ۶ر رمضان ۱۳۶۳ھ میں اس سے نجات ملی، رہا ہونے کے بعد پھر جہاد حریت، تعلیم و ارشاد اور خدمت خلق و وطن میں لگ گئے، ادھر مسلم لیگ جو تقسیمِ ہند اور مطالبۂ پاکستان کی داعی تھی، نے زور پکڑا اور مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت پوری قوت کے ساتھ اس کا ساتھ دے رہی تھی، مولانا مدنیؒ تقسیم ہند میں مسلمانوں کے بڑے نقصان کا اندیشہ محسوس کرتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت اور ملّی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی اور یہ کہ یہ انگریزوں کی ایک سیاسی سازش ہے۔ چنانچہ مولانا نے اخلاص کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، ہندوستان میں بہت سے دورے اور اسفار کیے اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں اپنی فکر کا کھُل کر اظہار کیا اور کسی ملامت اور اہانت کی پرواہ نہ کی۔

رمضان ۱۳۶۶ھ میں تقسیمِ ہند کا اعلان ہوا اور فرقہ وارانہ فسادات شروع

ہو گئے، ہندوستان کے شمال و مغرب اور دہلی کے اطراف مسلمان بڑی تعداد میں مارے گئے اور وہی بات ہوئی جس کا مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو اندیشہ تھا جو لوگ پاکستان چلے گئے وہ تو چلے گئے لیکن جو یہاں باقی رہ گئے وہ سخت اضطراب و انتشار کا شکار تھے اور ہندوستان کے دینی و ثقافتی مراکز کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ بھی اکثریتی فرقہ کے رحم وکرم پر تھا ——— چنانچہ اَب مولانا مدنیؒ نے مسلمانانِ ہند کو بڑے سوز کے ساتھ ایمان، توکل علی اللہ، دینی غیرت، صبر وثبات، ایمان ویقین کی حفاظت اور مخالفین کے مقابلہ کی دعوت دی، ان کے مواعظ اور اسفار نے شکستہ دلوں کو قوت دی اور متزلزل قدم پھر مضبوط ہو گئے، ڈر اور اندیشہ کے بادل چھٹ گئے اور دینی و ثقافتی مراکز اپنی سابقہ حالت کے مطابق باقی رہے اور مسلمان اعتدال اور خود اعتمادی کے ساتھ زندگی کی راہ میں قدم بڑھانے لگے۔

ملک آزاد ہونے کے بعد وہ سیاست سے الگ ہو گئے اور درس وافادہ، دعوت الی اللہ اور لوگوں کی تربیت کے کام یکسوئی کے ساتھ کرنے لگے، حکومت اور اربابِ حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھا، یہاں تک کہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ میں صدر جمہوریہ نے آپ کو اعزازی خطاب عطا کیا لیکن آپ نے یہ کہتے ہوئے اسے قبول نہیں کیا کہ یہ اسلاف کے طریقہ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

سفر میں ہوں یا حضر میں، جب بھی نماز پڑھاتے تو سنتوں کا التزام رکھتے، وہی سورتیں پڑھتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیثوں کے ذریعہ ثابت ہوں، آخیر عمر میں شریعت وسنتِ نبوی کے بارے میں آپ کی دینی غیرت وحمیت کا رنگ بہت غالب ہو گیا تھا، اور اس میں ذرا بھی کوتاہی گوارا نہ کرتے تھے۔ جو شخص سنتِ نبوی کی مخالفت کرے یا شعائرِ اسلام کی تذلیل کرے، اس کی سخت مخالفت کرتے، اپنے اساتذہ اور مشائخ کے بڑے عاشق اور ان کے معاملہ میں بڑے غیور تھے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے تفردات پر تنقیدیں کرتے اور محی الدین ابن عربیؒ کی شدید حمایت۔

الشہاب الثاقب، سفرنامہ مالٹا، دو جلدوں میں نقش حیات (جس میں زیادہ حصہ سیاسی تاریخ پر مشتمل ہے)، تین جلدوں میں مکتوبات شیخ الاسلامؒ کے نام سے آپ کے خطوط کا مجموعہ نیز سیاسیات پر متعدد رسالے اور خطباتِ صدارت آپ کے قلم کی رہینِ منت ہیں، اس کے علاوہ آپ کے بخاری و ترمذی کے درسی افادات کو مختلف تلامذہ نے مختلف ناموں سے جمع کیا ہے۔

۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ میں وفات پائی۔

مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ

۱۳۱۸ —— ۱۳۸۲

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ۱۳۱۸ھ کو سیوہارہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے، والد کا نام شمس الدین تھا جو بھوپال اور بیکانیر کی ریاستوں میں اسسٹنٹ انجینئر تھے۔ تعلیم زیادہ تر مدرسہ فیض عام اور مدرسہ شاہی مرادآباد میں ہوئی۔ ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا، ۱۳۴۲ھ میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔

دیوبند سے آپ کو مدراس بھیجا گیا جہاں پریامیٹ میں ایک سال درس و تدریس اور تبلیغی کاموں میں گذارا۔ پھر حجاز کا سفر کیا، حج و زیارت کے بعد ۱۳۴۴ھ میں دیوبند آگئے اور تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۳۴۶ھ میں مستعفی ہو کر شاہ صاحب کے ساتھ ڈابھیل چلے گئے اور پانچ سال تک وہاں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں —— ۱۳۵۲ھ میں انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ کے سرپرست مولانا ابوالکلام آزادؒ کی دعوت پر کلکتہ چلے گئے اور وہاں پانچ سال تک درسِ قرآن کی عظیم الشان خدمت انجام دی جس سے کلکتہ کے بہت سے لوگ مستفید ہوئے —— ۱۳۵۷ھ میں ندوۃ المصنفین دہلی کا قیام عمل میں آیا تو اپنے رفیق مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے ساتھ دہلی آگئے، یہیں ندوۃ المصنفین میں رہ کر مفتی صاحب اور مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کے ساتھ تصنیفی و تالیفی خدمت انجام دینے لگے اور بعض بنیادی، اہم اور عمدہ کتابیں لکھیں آپ کی

تصنیفی زندگی کا آغاز فراغت کے بعد ہی سے ہوگیا۔ مدراس کے زمانۂ قیام میں دو کتابیں "حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان" اور "مالا بار میں اسلام" کے نام سے تصنیف کی۔

۱۳۶۱ھ میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے، وہ جمعیۃ کے روحِ رواں اور دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی تھے، سیاسیات سے گہری دلچسپی تھی، تحریک آزادی کے لئے بڑی جد وجہد کی، کئی بار جیل بھی جانا پڑا —— آزادی کے بعد جب فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ ہی تھے جو ایسے نازک اور مشکل وقت میں خاموش نہ رہے بلکہ پوری ہمت وجواں مردی اور بے باکی کے ساتھ تمام لیڈروں کو جھنجوڑا، اور حکام پر زور دیکر امن وامان کی فضا قائم کرانے کی کوششیں کیں، نیز مسلمانوں کی دلبستگی کی اور ان کے دلوں سے خوف وہراس نکالا، آپ کی وفات تک جمعیۃ کا مسلمانوں کے مسائل میں بے باکانہ اور جراٴتمندانہ رنگ قائم رہا، افسوس کہ آپ کے بعد بہ تدریج اس تنظیم میں اضمحلال آتا گیا، ایسی طاقتور، مخلص اور جری شخصیت پھر اس پلیٹ فارم کو حاصل نہ ہو پائی اور اس نے بتدریج کانگریس پارٹی کے ایک ضمیمہ اور ایک شخصیت کے معتقدین کے گروہ کی صورت اختیار کرلی۔

آپ نے متعدد اہم اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جن میں سیرتِ رسولِ کریم، بلاغِ مبین، اسلام کا اقتصادی نظام اور فلسفۂ اخلاق خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، ان سب کے علاوہ آپ کی عظیم الشان اور مشہور تصنیف "قصص القرآن" ہے جو چار ضخیم جلدوں میں ہے اور اپنے موضوع پر نہ صرف اردو میں بے نظیر ہے بلکہ شاید عربی میں بھی اس کی مثال نہ ملے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو دہلی میں وفات پائی، اور قبرستانِ ولی اللّٰہی میں مدفون ہوئے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

۱۲۶۹ —— ۱۳۴۶

آپ کے والد کا نام شاہ مجید علی انصاریؒ اور وطن انبیٹھ، ضلع سہارنپور ہے، اپنے وقت

کے بڑے اساتذہ و محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے ——— اواخر صفر ۱۲۶۹ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن میں پرورش پائی، قرآن شریف اور فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں نانوتہ اور انبیٹھ کے مختلف اساتذہ سے پڑھی، پھر گوالیار میں اپنے چچا مولانا انصار علیؒ اور انبیٹھ میں مولانا سخاوت علیؒ سے متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی، ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا اور اپنے ماموں مولانا یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ دوسرے اساتذۂ دارالعلوم سے استفادہ کیا، پھر چند ہی ماہ بعد اسی سال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہو گئے اور وہاں پانچ سال رہ کر ۱۲۸۸ھ میں فراغت پائی، حدیث کی اکثر کتابیں مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے پڑھی، اس کے علاوہ مولانا عبدالقیوم برھانویؒ، شیخ احمد دحلان شافعیؒ، مکی، سید احمد برزنجیؒ اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ جیسے علماء و مشائخ سے اجازتِ حدیث حاصل ہوئی۔

فراغت کے بعد مظاہر علوم ہی میں "معین المدرسین" متعین ہوئے، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ کی خدمت میں لاہور پہونچے اور ان سے فنونِ ادب کی تکمیل کی، اس کے بعد مدرسہ عربیہ منگلور میں مدرس بنا کر بھیجدیئے گئے، پھر وہاں سے بھوپال، سکندرآباد، بھاولپور اور بریلی میں ایک عرصہ تک درس و افادہ کے فرائض انجام دیتے رہے، ۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور چھ سال وہاں یہ خدمت انجام دی، پھر جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ میں صدر مدرس کی حیثیت سے مظاہر علوم منتقل ہو گئے۔ ۱۳۳۶ھ میں اس کی نظامت و سرپرستی سنبھالی اور اپنی پوری توجہ مبذول کردی، آپ کے عہد نظامت میں مظاہر علوم کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ۱۳۴۴ھ میں مدرسہ سے علاحدگی اختیار کرلی اور مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔

فراغت کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت بھی ہوئے، ۱۲۹۷ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تو مکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

سے ملاقات واستفادہ کا شرف حاصل ہوا، حاجی صاحبؒ نے آپ کا بڑا اکرام کیا اور اجازت بھی مرحمت فرمائی، ہندوستان آنے کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی اجازت حاصل ہوئی۔ حضرت گنگوہیؒ سے آپ نے کافی استفادہ کیا، یہاں تک کہ ان کے خصوصی مصاحب، جلیل القدر خلیفہ اور ان کے علوم و برکات کے حاملین اور اس کی اشاعت کرنے والوں میں شمار کئے جانے لگے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو حدیث ورجال میں بڑا ملکہ اور مہارت حاصل تھی، ساری عمر تحقیق و مطالعہ، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ حدیث شریف کی بہترین خدمت انجام دی، حدیث کی امہات کتب کا درس دیتے تھے، پوری تحقیق و تدبر کے ساتھ درس دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا، بے شمار طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا جو بعد میں اپنے وقت کے مشہور علماء و اساتذہ میں شمار ہونے لگے۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے والے مسترشدین کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، آپ کے اجلۂ تلامذہ و خلفاء میں رئیس التبلیغ مولانا محمد الیاس صاحبؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

ابو داؤد کی شرح لکھنے کی آپ کو بڑی آرزو اور تمنا تھی، چنانچہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں اس کی تالیف کا کام شروع کیا، اپنی پوری صلاحیت اس میں صرف کی اور اس کے مواد جمع کرنے اور لکھانے میں یکسو ہو گئے، ان کو اس کام سے اس قدر شغف تھا کہ اس کے علاوہ کسی اور کام میں لذت نہ ملتی تھی، ۱۳۴۴ھ کے حجاز کے آخری سفر سے پہلے پہلے تک برابر اس کام کو کرتے رہے، ۱۵ محرم ۱۳۴۵ھ کو مدینہ میں داخل ہوئے تو کتاب کی تکمیل کیلئے گوشہ نشیں ہو گئے، یہاں تک کہ شعبان ۱۳۴۵ھ میں اس سے فراغت پائی، پانچ ضخیم جلدوں میں کتاب مکمل ہوئی، بڑی محنت اور عرق ریزی سے آپ نے اپنے علمی نچوڑ اور مطالعہ کے ماحصل کو اس میں

جمع کر دیا، اس سلسلہ میں آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے شروع سے آخیر تک آپ کا بڑا تعاون کیا —— مجاہدہ و مراقبہ، عبادت و تلاوت اور مطالعہ و تالیف کی وجہ سے ضعف بہت بڑھ گیا اور عزلت گزینی کا رنگ غالب ہو گیا۔ اکثر اوقات تلاوت قرآن میں صرف کرتے، نمازوں کے وقت مشقت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو مسجد میں حاضر ہوتے —— اپنے شاگردوں اور خاص احباب کو بھی ہندوستان بھیجدیا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں مقیم رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

فقہ و اصول اور اختلافی مسائل میں بھی وسیع معلومات اور علوم دین اور معرفت و تصوف میں بڑا رسوخ تھا، طالبین کی ہدایت و تربیت، سلوک کے منازل و درجات کی تعلیم اور مریدوں کی نگہداشت میں بڑا عبور حاصل تھا۔ بڑے صاحب نسبت، صاحبِ فیض اور خدا ترس آدمی تھے، نظافت و پاکیزگی کو پسند کرتے، اسراف و تکلف کے بغیر عمدہ اور صاف ستھرے کپڑے پہنتے، باشعور اور ذکی الحس، حق گو، مداہنت کے بغیر صاف صاف بات کرتے، متبع سنت، بدعت سے متنفر مہمان نواز، اپنے دوستوں کے ساتھ بڑے نرم، ہر چیز میں نظم و ترتیب کو پسند کرتے اور اوقات کی حفاظت کرتے۔ سیاست سے کنارہ کش، اپنی ذات اور اپنے کاموں میں مصروف مگر مسلمانوں کے مسائل سے تعلق رکھتے اور اسمیں غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے۔

آپ کی تصنیفات میں بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کے علاوہ، ردِ بریلویت میں التصدیقات لدفع التلبیسات، اہلِ تشیع کی رد میں "مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامامۃ" اور ھدایات الرشید الی افحام العنید، انوار ساطعہ مصنفہ عبدالسمیع رامپوری کے جواب میں براھین قاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ نیز تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان اور اتمام النعم علی تبویب الحکم ہیں۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو چہار شنبہ کے دن بعد نماز عصر مدینہ منورہ میں

وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مولانا خلیل بن محمد یمانیؒ

۱۳۰۴ھ ——— ۱۳۸۶ھ

مولانا خلیل بن محمد یمانیؒ، ذہین وفریس لوگوں میں ہیں، ۱۳۰۴ھ کو بھوپال میں پیدا ہوئے، وہیں تربیت پائی، قرآن کریم حفظ کیا اور ایک مدت تک اپنے والد ہی سے علم حاصل کرنے میں مصروف رہے۔ پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی اور وہیں سے فراغت پائی۔ اس کے بعد سید امیر علی لکھنویؒ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور ایک مدت تک انہی کی خدمت میں رہ کر فنون ادبیہ میں بڑی مہارت پیدا کرلی، اس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ آپ کے ادبی ذوق، عربی لغت پر قدرت اور تعلیم میں رسوخ ومہارت سے طلبہ اور ادارہ کے دیگر لوگ بہت متأثر ہوئے ——— پھر ڈھاکہ یونیورسٹی منتقل ہوگئے اور وہاں ایک مدت تک درس وافادہ میں مشغول رہے۔ ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ میں لکھنؤ یونیورسٹی کے استاذ متعین ہوئے اور ۱۴ سال وہاں درس دیتے رہے، لغت قرآن سے بڑا لگاؤ تھا، خیر خواہی، پاکیزگیٔ نفس اور بے تکلفی کی وجہ سے طلبہ میں محبوب اور اساتذہ میں اپنے حسنِ تدریس کی وجہ سے قابلِ احترام تھے، ان کو اہلِ عرب، عربی زبان اور اسلامی اخلاق بہت محبوب تھے، وہ عربی زبان کی نشر واشاعت اور ملک میں دعوت اسلامی کے لئے کوشاں رہے، وہ طلبہ کو اخلاص وخوش اسلوبی کی تعلیم دیتے اور ان کے ذہنوں کو عقیدۂ توحید اور سنت سے محبت کیلئے کھولتے، چنانچہ آپ سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود آپ کا گھر ایک بے ضابطہ مدرسہ تھا، طلبۂ علم دور دور سے آتے اور بعض وہیں رہتے، آپ ان سے باپ کی طرح شفقت کرتے، یہ مدرسہ اس یونیورسٹی سے زیادہ سودمند تھا، جس میں آپ درس دیتے تھے، چنانچہ یہاں سے اساتذہ، مؤلفین اور ایسے علماء نکلے جنہوں نے عربی زبان اور دینی علوم کی بے پناہ خدمت انجام دی، مولانا نے پوری کوشش اور بشاشت کے ساتھ اس سلسلہ کو

قائم رکھا، شعبان ۱۳۵۵ھ میں یونیورسٹی سے مستعفی ہوگئے، اس کے بعد آپ کو کچھ ایسے واقعات پیش آئے جس نے زندگی کو مکدر اور صحت کو متاثر کردیا، چند سالوں تک اپنے گھر میں فروکش رہے پھر پیدائشی وطن بھوپال کا سفر کیا، جہاں "مجلس العلماء" کے رکن اور ولیعہد کے استاذ منتخب ہوئے۔ اَب بھی کتاب و سنت کی دعوت، عربی زبان کی نشر و اشاعت اور تعلیمی سلسلہ سے بے تعلق نہیں ہوئے، یہاں تک کہ ۱۳۶۹ھ میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ اخیر عمر میں تقلید کی مخالفت اور براہِ راست کتاب وسنت سے استنباط میں بڑا غلو پیدا ہوگیا تھا۔

میانہ قد، سانولا رنگ، کشادہ جبیں، فراخ چشم، تیز رفتار اور بلند آواز آدمی تھے ۱۳۴۴ھ میں حج کیا اور اس کے بعد بار بار حج و زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہیں تھی، عربی زبان کی مبادیات اور قواعد پر چند چھوٹے رسائل کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں ہے۔

۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ

۱۲۳۷ ——— ۱۳۲۲

مولانا ذوالفقار علیؒ، والد کا نام فتح علی، وطن دیوبند ہے، مشاہیر ادب و اسلوب میں آپ کا شمار ہے۔ دیوبند میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، تحصیلِ علم کے لئے دہلی گئے اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ، مفتی صدرالدین دہلویؒ اور دوسرے علماء سے استفادہ کیا اور نحو، معانی و بیان اور شعری تنقید پر بڑی مہارت پیدا کرلی۔

فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر اور پھر محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر بنائے گئے۔ چند سالوں تک اسی عہدہ پر رہے، وظیفہ کے بعد دیوبند میں آنریری مجسٹریٹ رہے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے اولین بانیوں میں ہیں، چالیس سال تک اس کی

مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ عربی زبان وادب پر بڑی دسترس تھی، "الھدیۃ السنیۃ فی ذکر المدرسۃ الاسلامیۃ الدیوبندیہ" کے نام سے دارالعلوم دیوبند کا عربی میں تعارف لکھا، اردو میں دیوانِ حماسہ، دیوانِ متنبی، سبع معلقات وغیرہ کی شروحات لکھیں، اس کے علاوہ فنِ بلاغت میں "تذکرۃ البلاغۃ" اور ریاضی میں "تسہیل الحساب" آپ کی عمدہ تصنیفات ہیں۔

مولانا کو شعر گوئی سے بڑا ذوق تھا، حکومتِ عثمانیہ کے بادشاہ سلطان عبدالحمید ثانی کی مدح میں آپ کا ایک طویل قصیدہ ہے جسے مولانا عبدالحی حسنیؒ نے نزہۃ الخواطر میں نقل کیا ہے۔

۵ ارجب ۱۳۲۲ھ دوشنبہ کو دیوبند میں وفات پائی اور وہیں قبرستان قاسمی میں مدفون ہوئے۔

مولوی ذکاء اللہ دہلویؒ

۱۲۴۸ ——— ۱۳۲۸

مولوی ذکاء اللہ دہلویؒ والد کا نام ثناء اللہؒ، ۱۲۴۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر اورنٹیل کالج دہلی میں اپنے زمانہ کے جید اساتذہ سے تعلیم پائی اور ریاضی وغیرہ میں بڑی مہارت اور کمال حاصل کیا، فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے ایک مدت تک آگرہ کالج، میسور کالج اور سنٹرل کالج الہ آباد میں عربی کے پروفیسر رہے، پھر دہلی ہی میں سکونت اختیار کرلی اور تصنیف و تالیف، انگریزی اور فارسی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے میں مصروف ہوگئے، تصنیفات کی کثرت کے لحاظ سے آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، تاریخ و سیر اور ریاضی میں آپ کی ۱۶۰ کتابیں ہیں۔ آپ نے تقریباً باون ہزار صفحات قلمبند کیے، حکومت نے آپ کو خاں بہادر شمس العلماء کا خطاب دیا۔

آپ کی تصنیفات میں ۴ جلدوں میں ہندوستان کی تاریخ، آئین قیصری اور چند حصوں میں "عروج سلطنت انگلیشیہ در ہند" ہے، جس میں مختلف دَور میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ارتقار کا تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ ملکۂ وکٹوریہ کی سوانح نیز فلسفۃ الامثال، منتخب الامثال اور محاسن اخلاق وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ بہت سی کتابوں کا آپ نے ترجمہ بھی کیا ہے۔

۱۳۲۸ھ کو دہلی میں انتقال ہوا۔

فقہی مذاکرات کا بقیہ

تو پھر ادا ہو جائے گی لیکن امام صاحب کی طبی مدد کی تو فوری ضرورت ہے، فقہار کی بعض تصریحات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، اگر آپ نماز پڑھ رہے ہوں، کوئی نابینا آدمی سامنے سے جا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ وہ کسی سخت چیز سے ٹکرا جائے گا، سر پھوٹ جائے گا، کنواں سامنے ہے گر جائے گا، آگ لگی ہوئی ہے اس میں پھنس جائے گا تو ان حالات میں واجب ہے کہ آپ نماز توڑ کر اس نابینا کو بچائیں (۱)، یہ ہماری شریعت کا اعتدال اور توازن ہے کہ اس نے خدا کی بندگی اور بندگانِ خدا کی مدد کو دوش بدوش رکھا ہے، اور حالات وضروریات کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے۔

علم و فضل کے سدا بہار گلشن

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کی پرکیف فضاؤں کے نام

از: سید سرور احمد

جا و داں علم و فن کے چمن — تو ہے لاریب فخرِ دکن
دیدنی ہے ترا بانکپن — تجھ پہ قرباں ہیں جان و تن
چاندنی میں نہاتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

شہرتیں ہیں تری چار سو — فقہ کی تجھ سے ہے آبرو
تیری فطرت میں ہے جستجو — جانے کتنے ہوئے سرخ رو
تیرا درپن چمکتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

جان و دل کا تو ارمان ہے — راحتوں سے تو انجان ہے
جہدِ پیہم تری شان ہے — کشمکش تیری پہچان ہے
تو سدا یوں ہی چلتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

روز و شب کام سے کام ہے — جانفزا تیرا پیغام ہے
تیری تابندہ تر شام ہے — کم نہیں تجھ پہ انعام ہے
یہ گلاب اور کھلتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

یہ* جو مسجد کا مینار ہے — عظمتِ رب کا اظہار ہے
جس کا رضوان معمار ہے — رہنما، جن کا کردار ہے
یہ سدا جگمگاتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

مرحلے ہوتے آئے ہیں طے — تجھ میں گونجی ہے خالد کی لے
مشکلیں تو رہیں پے بہ پے — زندگی نام چلنے کا ہے
کارواں آگے بڑھتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

تیرے ابرِ کرم کے تلے — کارواں آگے بڑھتے رہے
پیاس جو بھی بجھا کر چلے — زیست کے ان میں ہیں حوصلے
تیرا فیضان بٹتا رہے
تیرا گلشن مہکتا رہے

* جامعہ ہٰذا کے دل کش احاطہ میں داخل ہوتے ہی خوبصورت و شاندار مسجد "جامع عمر بن خطاب" کا روح پرور منظر نگاہ و دل کی حلاوت کا سامان فراہم کردیتا ہے —— اس نظم کا خصوصی بند اسی کیفیت کا ترجمان ہے۔

خبرنامہ

سرفراز احمد قاسمی

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

○ حسبِ معمول ۱۱ شوال ۱۴۱۸ھ کو دارالعلوم کھل گیا اور جامعہ ہذا کے تمام شعبہ جات میں حسبِ گنجائش داخلہ کی کاروائی شروع ہوگئی، اس سال مختلف شعبہ جات میں داخلوں کی تعداد اس طرح ہے:

شعبۂ عالمیت	۱۶۳	شعبۂ حفظ	۱۴۵
شعبۂ اختصاص	۱۲	شعبۂ روضۃ الاطفال	۱۹۰
شعبۂ تدریب الائمہ	۲	جملہ طلبہ :	۵۱۲

○ شعبان ۱۴۱۸ھ میں جامعہ ہذا سے درج ذیل طلبہ نے تخصص فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا اور متعینہ عناوین پر مقالے پیش کئے:

۱۔ مولوی قمر عالم سبیلی ولد مولانا تقی الزماں سلفی
۲۔ 〃 سید محمد ایوب 〃 سید شاہ محمد محی الدین
۳۔ 〃 محمد شاہد قاسمی 〃 اختر حسین
۴۔ مولوی محمد طاہر مظاہری سبیلی ولد شیخ فرمان
۵۔ 〃 محمد مستفیض الرحمن قاسمی 〃 خلیل الرحمن
۶۔ 〃 محمد ارشد قاسمی 〃 مولانا محب اللہ

درج ذیل طلبہ نے فضیلت فی الحدیث (دورۂ حدیث) کی تعلیم مکمل کی:

۱۔ مولوی ارشد علی سبیلی ولد محمد واعظ
۲۔ 〃 محمد عارف 〃 محمد ناظم الدین
۳۔ 〃 اسعد اللہ 〃 نور اللہ
۴۔ 〃 یاسر بن حسین 〃 حسین بن عبداللہ
۵۔ 〃 اکرام ثاقب 〃 محمد معصوم
۶۔ مولوی عبدالرحیم سبیلی ولد ضمیر الدین
۷۔ 〃 افسر علی 〃 محمد بن علی
۸۔ 〃 مرتضیٰ حسین 〃 عبدالرحیم
۹۔ 〃 اقبال علی 〃 محبوب علی
۱۰۔ 〃 محمد عالم 〃 عبدالحفیظ

○ سالِ گزشتہ بحمداللہ ۳۶ طلبہ نے حفظ قرآن کی تکمیل کی، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ حافظ محمد عبداللہ ولد عبدالمجید
۲۔ 〃 محمد ابوبکر 〃 〃
۳۔ حافظ محمد مقصود احمد ولد عبدالرزاق
۴۔ 〃 انصار اللہ 〃 عبدالنعیم
۵۔ 〃 محمد ضیاء الحق 〃 نعیم الدین

۶-	حافظ محمد جاوید	ولد محمد جہانگیر
۷-	” عبدالقدیر	” عبدالسلام
۸-	” محمد عادل	” محمد غوث
۹-	” محمد حمید الدین	” محمد خیر الدین
۱۰-	” محمد انوار اللہ	” محمد نور اللہ
۱۱-	” محمد رحمت اللہ	” محمد معصوم
۱۲-	” احمد علی	” محمد ظفر علی
۱۳-	” جمیل احمد	” محمد یوسف
۱۴-	” جمیل اختر	” محمد یونس
۱۵-	” سمیع الدین	” معین الدین
۱۶-	” محمد رضوان عالم	” مولانا نور عالم
۱۷-	” محمد تبریز عالم	” محمد ایاز
۱۸-	” رضی الاسلام	” حافظ محمد حسنین
۱۹-	” حافظ محمد ابرار الحق	” محمد اسرافیل
۲۰-	” محمد عبید اللہ	” محمد فاروق
۲۱-	” محمد توفیق	” محمد خواجہ
۲۲-	حافظ معیز منور	ولد عبدالرؤف
۲۳-	” محمد سہیل	” عبدالمعید
۲۴-	” محمد شاکر حسین	” حافظ زاہد حسین
۲۵-	” شاہ نواز	” عبدالرشید
۲۶-	” عبدالرحمٰن باعوم	” عبداللہ باعوم
۲۷-	” محمد احمد	” عبدالرحیم
۲۸-	” شکیل اختر	” محمد ادریس
۲۹-	” محمد ابوالکلام	” محمد ہاشم
۳۰-	” سید ظہور	” محمد نثار
۳۱-	” محمد کلیم الدین	” قدیر الدین
۳۲-	” امتیاز احمد	” انصار عالم
۳۳-	” محمد عبداللہ	” محمد شبیر علی
۳۴-	” ابوذر	” مولانا محمد تسلیم رحمانی
۳۵-	” شہاب الدین	” نصیر الدین
۳۶-	” عبدالکریم کرامت	” مولانا مفتی عبدالودود

○ ۲۸ شوال ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۹۸ء روز پنجشنبہ کو تعلیم کے آغاز کی مناسبت سے طلبہ واساتذۂ کرام کی نشست ہوئی، جس میں بعض مؤقر اساتذہ نے طلبہ سے خطاب کیا اور حصولِ علم کے سلسلہ میں مفید اور کارآمد مشورے اور تجربات پیش کئے۔ ۳۰ شوال روز ہفتہ سے باقاعدگی کے ساتھ تمام شعبہ جات میں بحمد اللہ تعلیمی سرگرمی شروع ہوگئی۔

○ ۲ ذوقعدہ ۱۴۱۸ھ کو دار التفسیر ہال میں درس بخاری شریف کا افتتاح ہوا، اس موقع سے ناظم جامعہ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی مدظلہٗ نے بخاری شریف کی پہلی حدیث کا درس دیا اور حضرت مولانا مظفر الحسن صاحب مدنی، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قاسمی نائب شیخ الحدیث، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب قاسمی

استاذ حدیث جامعہ ہٰذا اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ ہٰذا نے فن حدیث کے مختلف موضوعات پر محدثانہ اور عالمانہ خطاب فرمایا، اس مبارک ومسعود موقع پر تمام اساتذہ وطلبہ کے علاوہ شہر حیدر آباد کے ذی علم اور اہلِ ذوق حضرات کی ایک بڑی تعداد شریک بزم ہوئی۔

○ اس سال رمضان المبارک میں حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی مدظلہٗ (ناظم جامعہ ہٰذا) حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی (شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ ہٰذا) اور حضرت مولانا عبد الودود صاحب مظاہری (استاذِ حدیث)، حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور عمرہ کی ادائیگی کے بعد اواخر رمضان میں واپسی ہوئی۔

○ دعوتی واصلاحی اسفار کے سلسلہ میں حضرت ناظم صاحب نے ———— دہلی کا سفر فرمایا اور آل انڈیا ملی کونسل جوامت مسلمہ کا ایک باوقار پلیٹ فارم ہے کی عاملہ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

○ ۸ر ذوقعدہ روز یکشنبہ کو جامعہ ہٰذا کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدرسہ سراج العلوم محبوب نگر کی دعوت پر تشریف لے گئے، آپ نے حجاج کے تربیتی اجتماع سے خطاب کیا اور مدرسہ سراج البنات میں بخاری شریف کا افتتاح کیا۔

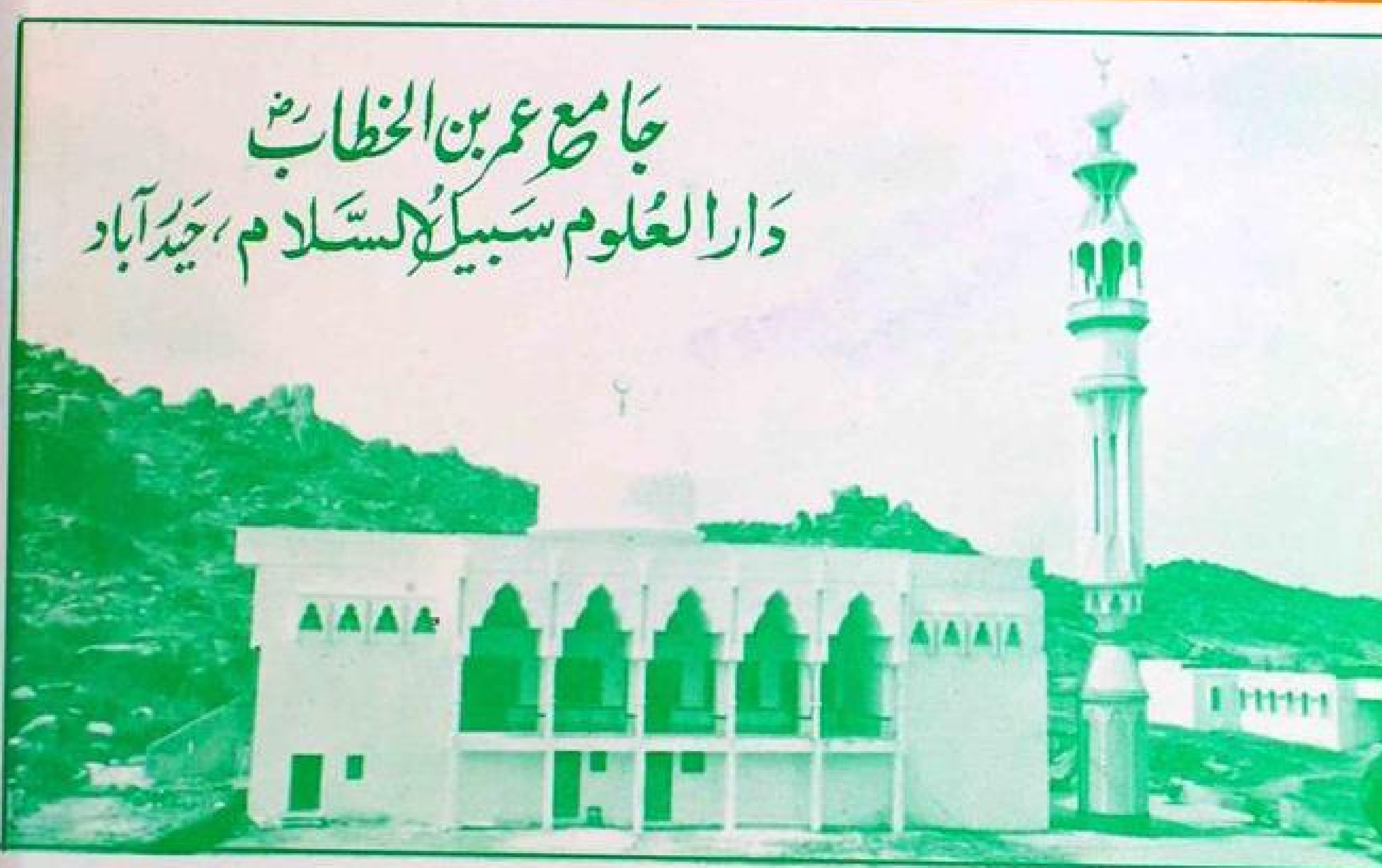
○ درسِ قرآن کے سلسلہ میں فتح منزل رمانصاحب ٹینک میں ہر ماہ کے دوسرے یکشنبہ کو حضرت صدر المدرسین صاحب کے فقہی مذاکرہ کا سلسلہ پوری باقاعدگی کے ساتھ جاری ہے، جس میں شرکاء کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ اس اجتماع سے ہفتہ میں ایک دن مولانا احمد عبد المجیب صاحب ندوی، اور کبھی کبھی حضرت ناظم صاحب بھی خطاب فرماتے ہیں۔

○ شہر کے کثیر مسلم آبادی کے محلہ مغلپورہ میں ———— جناب مولانا سید اکبر الدین صاحب قاسمی کے زیر نگرانی مدرسہ ریاض القرآن کا قیام عمل میں آیا، جس کے افتتاح کے لئے حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی مدظلہٗ (ناظم جامعہ ہٰذا) کو مدعو کیا گیا اور آپ کے بصیرت افروز خطاب کے ساتھ مدرسہ کا افتتاح عمل میں آیا۔

○ مورخہ ۱۲ر ذوقعدہ ۱۴۱۸ھ کو جامعہ ہٰذا میں طلبہ کی انجمن "الفلاح" کے ذمہ داروں کے انتخاب کے سلسلہ میں مشورہ ہوا اور سال رواں کے لئے درج ذیل

طلبہ کو ذمّہ دار مقرر کیا گیا۔

ناظم تقریر:	محمد حسن۔	دورۂ حدیث
معاونین:	حافظ حیدر علی، فیروز احمد۔	″ ″
ناظم تحریر:	حافظ ابرار الحق۔	″ ″
معاون:	عمر عابدین۔	ہفتم عربی
ناظم کتب خانہ:	تبریز الدین۔	دورۂ حدیث
معاونین:	حافظ سید انعام الحق، غلام ربانی۔	چہارم عربی و ششم عربی
ناظم تقریر عربی:	حافظ عبد العزیز لجی،	ہفتم عربی۔
معاون:	حافظ آصف الدین۔	پنجم عربی۔
مدیر معمار:	مطیع الرحمٰن۔	ہفتم عربی۔
مجلس ادارت:	نصیر عالم، شمشاد عالم۔	دورۂ حدیث/ ″ ″
	حافظ محمد اعظم، حافظ کبیر احمد۔	چہارم عربی/ ″ ″
ذمّہ دار تبلیغ:	مولوی عبد الاحد۔	تخصص فی الفقہ
معاونین:	خلیل کوثر، مقصود عالم۔	چہارم عربی و جماعت حفظ





ناگاہ فضا بانگِ اذاں سے ہوئی لبریز
وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دلِ کہسار
(اقبالؒ)

DARUL-ULOOM SABEEL USSALAM
PO. BALAPUR
BARKAS HYDERABAD -500 005. A.P. INDIA
Tel : (040) 4440450
Fax : (040) 3203668